353

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

جنوری 2012ء، ربیع الاول 1433ھ

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی
مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی

- مسئلہ تکفیر وخروج اور پاکستانی جمہوریت
- اہل السنہ اور مرجئہ: ائمہ اسلاف کی نظر میں
- رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں وراثت کا مسئلہ
- مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

محدث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

only for SMS
0333-4213525

شمارہ 353 — جنوری 2012ء ربیع الاول 1433ھ — جلد 44 عدد 1

فکر و نظر
- مسئلہ تکفیر و خروج اور پاکستانی جمہوریت — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی — ۲

ایمان و عقائد
- اہل السنہ اور مرجئہ: ائمہ اسلاف کی نظر میں — ابو عبداللہ طارق — ۲۰

تحقیق و تنقید
- رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں وراثت کا مسئلہ — مفتی عبیداللہ عفیف — ۳۴

سنت و بدعت
- صفر المظفر اور نحوست کا مسئلہ — حافظ عمران الٰہی — ۵۴

سیاسہ شرعیہ
- دور حاضر میں خروج کا مسئلہ اور شبہات — زاہد صدیق مغل — ۶۲

اسلام اور سائنس
- انفس و آفاق میں آیات الٰہیہ — ابو فہیم، شبیر احمد — ۸۳

یادِ رفتگان
- مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی رحمۃ اللہ علیہ — اُخت عبدالواسع — ۹۳
- مولانا معین الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ — عبدالجبار سلفی — ۹۸

متفرقات
- مراسلہ — مولانا ارشاد الحق اثری، تنویر احمد بٹ — ۹۱
- محدث کا یک سالہ اشاریہ... سال ۲۰۱۱ء — محمد شفیق کوکب — ۱۰۹

مدیر معاون کامران طاہر
0302 4424736

منیجر محدث محمد اصغر
03054600861

زر سالانہ =/۳۰۰ روپے
فی شمارہ =/۳۰ روپے

بیرون ملک
زر سالانہ =/۳۰ ڈالر
فی شمارہ =/۳ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

042-35866476
35866396

Email:
muh@liu.edu.pk

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore
Designing (Abdul Wasea)
Crystal Art Lahore 0323-7471862-1

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلۂ تکفیر و خروج اور پاکستانی جمہوریت

اسلام آباد میں قائم این جی او 'پاکستان انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' PIPS نے چند ماہ سے 'تکفیر و خروج' کے موضوع پر پاکستان کے اہل علم و دانش کے مابین مکالمہ و مباحثہ کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ 'مطالعۂ امن' کے نام سے سرگرم یہ ادارہ پاکستان کے حوالے سے انگریزی زبان میں 'ریجنل واچ'، اہم جائزوں اور رپورٹوں کی اشاعت کے علاوہ کم و بیش تین برس سے 'تجزیات' کے نام سے ایک سہ ماہی مجلہ بھی شائع کر رہا ہے۔ ان رپورٹوں کا لب و لہجہ اور پیش کردہ رجحان کم و بیش وہی ہوتا ہے جو 'تجزیات' کے مضامین کا ہے۔ کچھ عرصہ سے اس این جی او نے پاکستان کے دینی مدارس اور مذہبی شخصیات کو بطورِ خاص اپنی توجہ کا مرکز بنالیا ہے۔ اس حوالے سے دینی مدارس کے تمام وفاقوں کے پوزیشن ہولڈر طلبہ کو انعام دینے کے سلسلے کا بھی آغاز کر دیا گیا ہے۔ ایسے ہی بعض دینی مدارس کے تعاون کے ساتھ، کسی بھی ریجن کے ممتاز مدارس کے نمائندہ طلبہ کی ورکشاپیں بھی منعقد کی جا رہی ہیں جس کی ایک کڑی مؤرخہ ۲۱ر نومبر ۲۰۱۱ء کو لاہور کے جامعہ نعیمیہ میں مدارسِ دینیہ کے طلبہ کی ایک ورکشاپ تھی جس کی رپورٹ قومی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ تکفیر و خروج کے موضوع پر جاری مباحثہ بھی مدارسِ دینیہ اور پاکستان کے دینی ماحول میں خصوصی دلچسپی کا غماز ہے۔

تکفیر و خروج کے حوالے سے پہلا مکالمہ مؤرخہ ۲۱ر ستمبر ۲۰۱۱ء کو اسلام آباد کی نیشنل لائبریری اسلام آباد میں مختلف شہروں سے مدعو کئے جانے والے اہل علم کے مابین منعقد ہوا۔ اس مُباحثہ میں پشاور یونیورسٹی کے ڈاکٹر قبلہ ایاز، اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مفتی محمد ابراہیم قادری، مجلّہ الشریعہ کے مدیر جناب عمار خاں ناصر، جامعہ ستاریہ کراچی کے مدیر علامہ محمد سلفی، دار العلوم کراچی کے اُستاذ ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، ماہنامہ 'منہاج القرآن' کے مدیر ڈاکٹر علی اکبر ازہری اور فاسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد کے پروفیسر جناب زاہد صدیق مغل نے شرکت کی۔ بعد ازاں اس مجلس کی کاروائی اور پیش کردہ افکار و نظریات کو گوجرانوالہ کے مجلّہ 'الشریعہ' کے شمارہ اکتوبر میں شائع کیا گیا۔ جناب زاہد صدیق مغل نے اس پہلے مکالمے میں اپنے موقف اور تاثرات کو مستقل مضمون کی شکل دی ہے جو محدث کے حالیہ شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے کا دوسرا مرحلہ لاہور میں ۲۲ر نومبر ۲۰۱۱ء کو اسی حساس موضوع پر 'ہالیڈے ان ہوٹل' میں ہونے والا مذاکرہ ہے جس میں گوجرانوالہ سے مولانا زاہد الراشدی اور مفتی منصور احمد، لاہور سے جناب طاہر اشرفی، مفتی محمد خاں قادری، علامہ احمد علی قصوری، جماعتِ اسلامی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، جماعۃ الدعوۃ کے مولانا عبد الرحمٰن مکی، جامعہ لاہور اسلامیہ سے ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (راقم)، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی سے ڈاکٹر محمد امین، یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب سے ڈاکٹر خالد ظہیر اور ڈاکٹر سید محمد نجفی وغیرہ حضرات کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ دو نشستوں پر مشتمل اس مذاکرہ کی میزبانی مجلّہ 'الشریعہ' کے مدیر جناب عمار خاں ناصر کے ذمے تھی۔ اسی مباحثے کا تیسرا مرحلہ اسلام آباد کے مارگلہ ہوٹل میں ۲۰ر دسمبر کو منعقد ہوا ہے جس میں راقم الحروف سمیت دیگر دانش گاہوں کے نمائندگان کو تحریری مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی۔

جامعہ نعیمیہ میں دینی مدارس کے طلبہ کی ورکشاپ

لاہور کے مذاکرۂ تکفیر وخروج میں کیا ہوا، اس کی مرکزی بحث کیا تھی اور اس کا حاصل کیا نکلا؟ اس سے قبل یہ نشاندہی کرنا مناسب ہے کہ 'انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' کی پوری ٹیم لاہور کے دونوں پروگراموں میں پوری دلجمعی کے ساتھ شریک تھی، انہوں نے ایک روز قبل جامعہ نعیمیہ میں طلبہ کو اپنے مرغوب موضوعات پر دو نشستوں میں بھی 'رہنمائی' دی اور دوسرے دن علما اور دانشور حضرات کے مابین ایک حساس مسئلہ پر ہونے والے پورے مباحثہ کے نوٹس لئے، ہر مقرر کی گفتگو اور اُس کا استدلال اُنہوں نے پوری توجہ سے پچھلی نشستوں پر بیٹھ کر سنا۔ جامعہ نعیمیہ میں PIPS کے زیر اہتمام 'جدید فکری رجحانات اور بین الاقوامی قانون کی اہمیت' کے عنوان ہونے والی ورکشاپ کی رپورٹ روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور میں شائع ہوئی کہ

> "اسلام سے غیر متصادم جدید مغربی سیاسی نظریات اور دانشورانہ رجحانات کو پاکستان کی سیاسی اور ریاستی نظام کا حصہ بنایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر خالد ظہیر نے روایت پسندی، جدیدیت اور اجتہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ روایت پسندی نئے علوم وجدید رجحانات کی کھوج میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔..." (۲۲نومبر ۲۰۱۱ء)

جامعہ نعیمیہ میں ہونے والی طلبہ ورکشاپ میں جامعہ لاہور اسلامیہ کے آخری کلاس کے ۱۰ طلبہ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور اس کے لئے بار بار رابطہ کیا جاتا رہا۔ اس ورکشاپ میں ڈاکٹر خالد ظہیر (جاوید احمد غامدی کے تلمیذِ خاص)، ہیومن رائٹس کمیشن کے آئی اے رحمٰن (عاصمہ جہانگیر کے معاونِ کار)، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے ڈائریکٹر قاضی جاوید، ڈاکٹر سعید شفقت اور دیگر ایسے ہی خیالات رکھنے والے افراد کو 'مسلم دنیا میں جدید فکری رجحانات، انسانی حقوق کا میثاق اور عالمی معاہدوں کی اہمیت' وغیرہ جیسے حساس ملی موضوعات پر خطابات کرنا تھے۔ راقم نے جامعہ ہذا کے 'کلیہ دراساتِ اسلامیہ' کے ڈائریکٹر ہونے کے ناطے انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز کے معاون کار جناب مجتبیٰ راٹھور سے ورکشاپ کے مقررین کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا کہ جن لوگوں کو آپ نے ایسے اہم موضوعات پر گفتگو کرنے کی دعوت دی ہے، یہ لوگ تو پاکستانی عوام میں خود ایک متنازعہ حیثیت رکھتے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اوران میں سے بعض کو انتہاپسندانہ نظریات کا بھی حامل سمجھا جاتا ہے۔ مناسب ہوتا کہ آپ اسی سٹیج پر متوازن فکر لوگوں کو بھی دعوت دیتے۔ راٹھور صاحب کا جواب تھا کہ ان موضوعات کے بارے میں دیگر لوگ ماہرانہ گفتگو نہیں کرسکتے اور یوں بھی طلبہ کو سوال وجواب میں دوسرا موقف پیش کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ راقم نے اس کے جواب میں لاہور کے کئی ایک مستند دانشوروں کا نام لیا اور کہا کہ دو تین منٹ کے سوال میں ایک طالب علم دوسرا پہلو پیش کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بہر طور میرے اس اختلاف کو نوٹ کرنے اور اعلیٰ انتظامیہ تک پہنچانے کی یقین دہانی کرا کے، راٹھور صاحب نے مقررین میں تبدیلی سے اظہارِ معذرت کر لیا۔

راقم نے بادلِ نخواستہ ۲۱ر نومبر کو جامعہ لاہور کے ۱۰ کی بجائے صرف ۴ طلبہ اور اپنی جگہ جامعہ کے اُستاد مولانا عبد الحنان کیلانی کو بھیجا اور سب کو متوجہ ہو کر سننے کی تلقین کی۔ طلبہ کی واپسی پر مجھے بتایا گیا کہ جامعہ ہذا کے طلبہ نے منتظمین اور مقررین سے کئی تیکھے سوالات کئے، جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قاضی جاوید صاحب کے بقول اگر امریکہ میں فوکویاما کے نظریۂ امن کے بالمقابل ہنٹنگٹن کے تہذیبی کشمکش کے نظریہ کو قبولیت حاصل ہوئی ہے تاکہ امریکہ کی جنگی صنعت کا کاروبار اور عسکری ادارے زوال کا شکار نہ ہوں تو پھر اس مجلس کی میزبان امن کی داعی این جی او 'انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' بذاتِ خود ایک عسکریت پسند امریکہ کی نمائندگی کیوں کر کر رہی ہے؟ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ہم امریکہ کے عسکری نظریہ کے علم بردار اور نمائندہ نہیں بلکہ امریکی شہر نیویارک میں جاری وال سٹریٹ تحریک کے امن پسندوں اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اُٹھنے والوں کے حامی ہیں۔ اس پر اُنہیں پھر اعتراض کیا گیا کہ اوّل تو آپ کی قائم کردہ این جی او کم وبیش پانچ چھ سال سے مصروفِ کار ہے، جب کہ امریکہ میں تو وال سٹریٹ تحریک ایک دو سال قبل شروع ہوئی ہے، مزید برآں دینی مدارس اور مذہبی قیادت کو مخاطب بنانے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی مزعومہ 'اصلاح' کو پیش نظر رکھ کر آپ دراصل عالمی استعماری ایجنڈا ہی پورا کر رہے ہیں۔ مقرر کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ ڈاکٹر خالد ظہیر نے 'مسلم دنیا کے جدید فکری رجحانات' کے عنوان سے اپنے خطاب کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ عین ممکن ہے کہ ہم بہترین مسلمان ہوتے ہوئے مغربی تہذیب پر بھی کاربند ہوں، کیونکہ دونوں میں اُصولی طور پر کوئی ایسا تضاد نہیں ہے کہ ایک پر عمل دوسرے کے ترک کو لازم ہو۔ جدید مسلم رجحانات پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے امریکہ کے ڈاکٹر حمزہ، انڈیا کے راشد شاز اور وحید الدین خاں جیسے مفکرین کے نظریات کے تعارف پر اکتفا کیا، حالانکہ وہ اس میں محمد بن عبد الوہاب، سید قطب، مولانا مودودی اور جمال الدین افغانی کے مثبت فکری رجحانات کو بھی نمایاں کرسکتے تھے۔ ڈاکٹر شفقت نے علما کے طرزِ فکر پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ آفات ومصائب مثلاً زلزلہ وسیلاب وغیرہ کی علمی وسائنسی توجیہ کرنے کی بجائے اسے عذابِ الٰہی قرار دے کر، لوگوں کو اللہ سے رجوع کی تلقین کرتے ہیں، جبکہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارا رویہ وحی الٰہی کی بجائے مشاہدہ اور حقائق کی روشنی میں مرتب ہونا چاہئے۔ اُنہوں نے دین کے محدود (بلکہ سیکولر) تصور کی تعریف کرتے ہوئے یہ گوہر افشانی بھی کی کہ دین کا ٹھوس کام برصغیر میں دیوبندی اور بریلوی مکتبِ فکر کے ہاں ہی نظر آتا ہے جنہوں نے جماعتِ اسلامی کی طرح ریاستی معاملات میں رہنمائی دینے اور اُلجھنے کی بجائے 'بہشتی زیور' جیسے کتب لکھ کر مثالی دینی خدمت انجام دی ہے۔ ایک مقرر نے مسلمانوں کے روایتی طرزِ استدلال پر تنقید کرتے ہوئے جدید رجحانات کو اپنانے کا مشورہ دیا جس پر جامعہ ہذا کے ایک طالب علم نے یہ توجیہ پیش کی کہ جدید وقدیم میں اختلاف اُجاگر کرنے اور کسی ایک کو غالب کرنے کی بجائے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ قرآن وحدیث پر کاملِ کاربند رہتے ہوئے جدید مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ طلبہ نے اپنے سوالات میں کئی مواقع پر مقررین کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ تقریب میں کافر و مسلم دوستی کے بے جا تصور کو اس قدر اُبھارا گیا کہ جب ورکشاپ کے آخر میں میزبان جامعہ کے مہتمم مولانا محمد راغب نعیمی کو دعاے خیر کے لئے دعوت دی گئی تو اُن کی دعا میں شاملِ غلبۂ اسلام کی باری تعالیٰ سے التجا ورکشاپ کے سیاق وسباق سے غیر مناسب محسوس ہوئی اور بعض مقررین اس دعا پر تردّد کا بھی شکار نظر آئے، کیونکہ ورکشاپ کا ماحول اور پیش کئے جانے والے افکار و نظریات اس نبوی دعا کے تقاضے پورے نہیں کرتے تھے۔

'ہالیڈے اِن' لاہور میں مکالمہ تکفیر وخروج

۲۲/نومبر ۲۰۱۱ء کو ہالیڈے ان میں ہونے والا اجلاس مقررہ وقت سے نصف گھنٹہ تاخیر سے شروع ہوا۔ مکالمہ کے مدعو شرکا کے علاوہ دیگر اہل علم کو اس پروگرام میں شرکت کی اجازت نہ تھی۔ اتفاق سے جامعہ لاہور اسلامیہ کے دو فاضل اساتذہ شرکت کے لئے آن پہنچے لیکن راقم کی تحریری درخواست کے باوجود، میزبان جناب عمار ناصر نے اُن کو منتظمین کی طرف سے اجازت نہ ملنے کا کہہ کر معذرت کرلی۔ مولانا عبدالرحمٰن مکی اور ڈاکٹر خالد ظہیر کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکے۔ ڈاکٹر محمد امین کے بارے میں پتہ چلا کہ اُنہوں نے میزبان این جی او سے بعض تحریری استفسارات کئے ہیں کہ اس این جی او کی فنڈنگ کون کر رہا ہے اور اس کا امریکہ سے کیا تعلق ہے؟ مزید برآں یہ کہ جس پروگرام کی میزبانی جناب عمار خاں ناصر کے سپرد ہو، اس کے اہداف ومقاصد کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اِن شبہات کی بنا پر عدمِ شرکت کو ہی ترجیح دی۔

آغاز میں جناب عمار ناصر نے مذاکرے کے اہداف بیان کئے جس کے جواب میں ڈاکٹر سید محمد نجفی اور جناب مفتی محمد خاں قادری نے پاکستانی معاشرے میں پائی جانے والی عام صورتحال کے حوالے سے شرعی ضوابط اور احتیاطیں وغیرہ پیش کیں۔ راقم الحروف اور مفتی منصور احمد نے میزبان کے پیش کردہ سوالات پر براہِ راست گفتگو کی جس کے نتیجے میں بعد کی تمام تر نشست کا رخ ایک اُصولی وفقہی مسئلہ سے نکل کر تکفیر وخروج کے حوالے سے پاکستان کو درپیش حالیہ حساس صورتحال کی طرف مڑ گیا۔ یوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی مذاکرہ کا جو لائحہ عمل ہمیں پہلے فراہم کیا گیا تھا، اس میں ایک مخصوص فکری رجحان، اور مباحث کے مابین موجود معنوی ربط، مذاکرہ کے مقصد وہدف کی طرف واضح اشارہ کر رہا تھا، اسی لئے ہم نے فقہی وشرعی بحث میں زیادہ وقت صرف کرنے کی بجائے مسئلہ کے سیاسی پہلو کو ہی پیش نظر رکھا۔ ذیل میں مکالمہ کی کاروائی سے قطع نظر راقم کی گفتگو، اور مباحثے کے مرکزی سوال سے متعلق اپنا نقطہ نظر بعض ضروری تفصیلات کے بعد قارئین 'محدث' کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ راقم نے اپنے خطاب کے آغاز میں بعض مقدمات اور سوالات قائم کئے اور حسبِ ذیل معروضات پیش کیں:

① اگر تکفیر کے ساتھ خروج کو ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ منتظمین کے پیش نظر تکفیر کا وہ مخصہ نہیں جس سے پاکستانیوں کو ۸۰،۹۰ کی دہائی میں شیعہ سنی تکفیر وغیرہ کے مرحلے پر واسطہ پیش آیا تھا۔ زیر بحث تکفیر سے مراد وہ مباحث ہیں جو تکفیر کرنے والوں کو آخر کار حکومت سے بغاوت اور خروج کی طرف لے جاتے ہیں۔

② اس تکفیر وخروج کی شرعی حیثیت پر گفتگو سے قبل ہمیں فقہ الواقع یا صورتِ واقعہ پر غور کرنا ہوگا کہ ہم اس شرعی بحث اور اس کے نتیجے کا اطلاق کن لوگوں پر کرنا چاہتے ہیں؟ فقہ الواقع کے تعین سے قبل شریعتِ اسلامیہ کی متعلقہ نصوص کو نکال کر محض پیش کر دینا ہی کافی نہیں کیونکہ یہ نصوص تو اس سے قبل بھی تراثِ اسلامی میں موجود ہیں۔

تکفیر وخروج کا موجودہ منظر نامہ ملتِ اسلامیہ پر ظلم کا ردِّ عمل ہے!

③ ملتِ اسلامیہ میں خروج پر منتج ہونے والی تکفیر (یعنی سیاسی تکفیر یا حکمرانوں کی تکفیر) کی تحریک کا پورا منظر نامہ دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سیاسی تکفیر خالصتاً مسلم حکمرانوں کے ظلم وستم کے ردِّ عمل پر مبنی ہے اور کوئی خالص شرعی یا فقہی مسئلہ نہیں ہے۔ حالیہ اسلامی تاریخ میں ساٹھ کی دہائی میں مصر میں الاخوان المسلمون سے نکلنے والے بعض نوجوانوں نے 'اصحاب الہجرۃ والتکفیر' کے نام سے تکفیری سلسلے کا آغاز کیا۔ واضح رہے کہ ان سالوں میں مصر کے صدر جمال عبد الناصر نے الاخوان المسلمون پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے، شیخ حسن البنا کو بہیمانہ طور شہید کیا گیا اور سید قطب رحمہ اللہ کو پھانسی کے گھاٹ اُتار دیا گیا تھا، کئی اخوانیوں کو کتوں سے نُچوایا گیا اور اخوان کے پیروکاروں پر زندگی کی راہیں مسدود کر دی گئی تھیں۔ بعد ازاں سعودی عرب میں ۹۰ کی دہائی میں خلیجی جنگ کے بعد امریکی مداخلت اور امریکی فوجی بیسز کا قیام وہ منظر نامہ ہے جس کے بعد اُسامہ بن لادن اور ان کے رفقا نے سعودی حکمرانوں کی تکفیر کے مباحث کا آغاز کیا۔ توحید حاکمیت کا ایک سیاسی نظریہ متعارف کرایا گیا، امریکی استعمار کی جارحیت ومداخلت سے قبل سعودی عرب میں یہ بحثیں نہیں ملتی۔ پاکستان کی صورتحال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ پاکستان کے ہمسایہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک افغانستان پر امریکہ کی بلاجواز بہیمانہ جارحیت کے بعد پاکستان میں حالیہ دہشت گردی اور اس سے متعلقہ مباحثِ تکفیر وخروج وغیرہ کا آغاز ہوا۔ شمالی علاقہ جات، وزیرستان وسوات اور فاٹا وقبائلی علاقوں میں اس سے پہلے بھی پر امن پاکستانی بستے تھے، لیکن امن وامان کی پچاس برسوں میں کبھی وہ صورتحال نہ ہوئی جس کا سامنا گذشتہ دس برس سے یہ علاقے کر رہے ہیں۔ امریکہ نے افغانستان میں ڈیرے جمالئے، ہمارے آمر وغاصب حکمرانوں نے اپنی کمزور سیاسی حیثیت کی بنا پر، امریکی دھمکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور بدلے میں اُس کی تائید کے طالب ہوئے، پاکستان کے سرکاری ادارے امریکی مفادات کے رکھوالے بن گئے اور عرب وافغان مجاہدین کو ڈالروں کے بدلے امریکی جیلوں میں بھر کر ملت اور قوم سے غداری اور بے وفائی کی سیاہ داستانیں رقم کی گئیں۔ پاکستان کو اس وقت تک بھی دہشت گردی اور تکفیر وخروج کے خونخوار عفریت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، حتیٰ کہ ۲۰۰۷ء میں لال مسجد میں عفت مآب بچیوں کو خون میں نہلا دیا گیا، ان کی کٹی اُنگلیاں اور قرآنِ کریم کے بریدہ اوراق اسلام آباد کے ندی نالوں میں پائے گئے، تب ظلم وستم کا شکار لوگ پاکستان کے پالیسی سازوں اور ہیئتِ مقتدرہ کے خلاف کمربستہ ہو گئے۔ یہ واضح طور پر ظلم کے خلاف ایک عوامی ردِّ عمل تھا جس کے لئے شریعتِ اسلامیہ سے تائید لینے کی کوشش کی گئی۔ ظلم کے خلاف دفاع اور عوامی مزاحمت کو سندِ جواز دینے کے لئے حکمرانوں کی تکفیر کے نظریہ کا اس مرحلہ پر پھیلنا اور اس کے بعد ان کے خلاف خروج کا رجحان اپنے اندر واضح معنویت رکھتا ہے۔ توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں ہر مقام پر سیاسی تکفیر وخروج کا نظریہ اس گروہ میں پروان چڑھا جو ظلم وستم کا براہِ راست نشانہ بنا۔ اگرچہ اقامتِ دین کا نظریہ حالیہ دینی وسیاسی تناظر میں بنیادی طور پر جماعتِ اسلامی کا متعارف کردہ ہے لیکن پاکستان کی جماعتِ اسلامی چونکہ جمہوری جدوجہد کے ذریعے سیاسی سرگرمی میں اپنی توانائیاں صرف کر رہی ہے اور اُنہیں الحمدللہ اخوان جیسے شدید ظلم وستم کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا؛ اس کے مقابل دیکھا جائے تو صوبہ سرحد کے طالبان حنفی مکتبِ فکر کے حامل ہونے کے ساتھ، ماضی میں اقامتِ دین کا کوئی واضح مطالبہ نہ رکھتے تھے، توحیدِ حاکمیت وغیرہ کا کوئی سیاسی رجحان بھی اُن کے ہاں نہیں ملتا، اس کے باوجود جب حنفی طالبان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے تو اُنہوں نے سیاسی تکفیر وخروج میں پناہ لی اور پاکستان کی جماعتِ اسلامی اقامتِ دین کے اس منظر نامے سے خارج رہی۔ ان تقابلی حقائق سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں تکفیر وخروج کی حالیہ بحثیں ظلم اور اس کا ردِّ عمل ہیں۔ بلکہ اگر یہ بھی کہا جائے کہ جس طرح امریکہ نے طالبان کی مزاحمتی تحریک سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ان کے نام وتشخص سے بے شمار دہشت گردانہ کاروائیاں منسوب کر دیں اور طالبان گروہوں میں اپنے افراد شامل کر کے اُن کو پاکستان میں انتہاپسندی پر آمادہ کیا، اسی طرح

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلطِ مبحث کرتے ہوئے ان طالبان کو فکری طور پر تکفیر وخروج کی بحثوں میں اُلجھایا گیا۔ دراصل اہل پاکستان کا یہ المیہ ایک سیاسی اور عوامی سانحہ ہے۔ جب بلوچستان کے عوام کو اُن کا حق نہیں دیا جاتا اور وہ 'بلوچستان لبریشن آرمی' کے نام پر اپنے حقوق کی جدوجہد کرتے ہیں، تو اسے ایک عوامی جدوجہد سمجھا جاتا ہے، اسی طرح جب سرحد کے لوگوں پر ظلم کیا جاتا ہے تو اسے اہل سرحد کا حق دفاع ہی کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟ اس کو شریعت سے خلط ملط کرنا نت نئی اُلجھنیں پیدا کر دیتا ہے!!

سیاسی تکفیریوں سے قبل استعمار اور آمر مسلم حکمرانوں کی مذمت ضروری ہے!

④ یہ درست ہے کہ احادیث میں خروج وغیرہ کے بارے میں ممانعت کا غالب رجحان پایا جاتا ہے، تاہم بعض واضح صورتوں میں خروج کی اجازت بھی احادیثِ نبویہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اُموی دور کے خروج کے نتائج کو دیکھتے ہوئے فقہاے کرام کے اقوال میں بھی اِس کی زیادہ تائید نہیں ملتی، لیکن اگر ہم ان احادیث یا فقہی جزئیات سے آج استدلال کرنے پر مصر ہیں، جو آج کے مذاکرے کا مقصد ومنشا معلوم ہوتا ہے، تو اس سے پہلے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہم اُس عالمی استعمار اور امریکہ کی بھی مذمت کریں جس نے ملتِ اسلامیہ کو آسان شکار سمجھ کر، دو دہائیوں سے اس کی سالمیت سے کھیلنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ہمیں مسلمانوں کے ان حکمرانوں کی مذمت کرنا چاہئے جنہوں نے عالمی استعمار کا آلہ کار بن کر اپنی ہی قوموں کو فتح کرنا اور ان کو امریکہ کے حوالے کر کے ڈالر کمانا اور سیاسی تائید حاصل کرنے کا مکروہ دھندا شروع کر رکھا ہے۔ کیا آج ہم لاہور کے اہل علم ودانش، اپنے قول وبیان کے ذریعے اس امر کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ ہم پاکستان کے سرحدی عوام پر ظلم کے خاتمے کی کوئی مؤثر جدوجہد کرنے سے تو قاصر ہیں لیکن ان مظلوموں سے مزاحمت اور ظلم کے خلاف دفاع کا حق بھی، خروج کی ممانعت کی احادیث پڑھ پڑھ کر چھین لیں؟ تاکہ کوئی مظلوم اگر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا دفاع کرتا ہوا مارا جائے تو ہمارے دلوں میں اس مسلمان بھائی کے خلاف ہمدردی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ یہ اسلام اور پاکستان کی کوئی خدمت نہیں بلکہ من وجہ ظلم کی ہی تائید ہے۔ اس مکالمہ کے شرکا کا مثبت کردار یہ ہونا چاہئے کہ وہ اگر تکفیر وخروج کے سلسلے کو غلط سمجھتے ہیں... اور امر واقعہ بھی یہی ہے... تو پھر سرحدی عوام کے لئے اُن مثبت راہوں کی نشاندہی کریں، جس کے ذریعے وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم وستم کا خاتمہ کر سکیں اور اُنہیں بھی چین وسکون کا جائز حق میسر آ سکے۔

خوشنما نعروں سے دوسروں کا استحصال باطل کا قدیم ہتھیار ہے!

⑤ تاریخ میں ہمیشہ سے باطل قوتوں کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ وہ خوش نما نعروں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، خارجیوں نے قرآن کو حکم بنانے کا نعرہ گھڑا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے 'کلمۃ حق

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُرید بہا الباطل' کے مشہور جملہ سے اس کا دندان شکن جواب دیا۔ معتزلہ نے اپنے نظریاتی انحراف کو جواز دینے کے لئے اہل العدل والتوحید کا نام اختیار کیا جسے ائمۂ اسلاف نے دلائل کی رو سے باطل ثابت کیا۔ ملتِ اسلامیہ میں اہل تشیع نے تیرہ صدیوں سے ملی انتشار کا رویہ اپنایا اور آج اسلامی جمہوریہ ایران کے سیاسی بصیرت کے پیرو شیعہ 'وحدتِ ملی اور اتحاد بین المسلمین' کو اپنا شعار بنا کر مصروفِ جہد ہیں۔ اسی طرح دورِ حاضر کی ظالم وجارح ریاست امریکہ دنیا بھر میں ظلم وبربریت اور جنگ وہلاکت مسلط کرتا ہے تو 'امن' اور 'حقوقِ انسانی' کو اپنا سلوگن بنا کر پیش کرتا اور پوری دنیا کو کھلا مغالطہ دیتا ہے۔ امریکہ دنیا کا ایسا ملک ہے جس کی اہم ترین صنعت وبر آمد ہی عسکری سازوسامان ہے۔ سرد جنگ کے بعد ملتِ اسلامیہ کا نیا شکار اسی لئے تراشا گیا ہے کہ امریکہ کی عسکری صنعت کو زوال نہ آئے اور جنگ کا کاروبار جاری رہے۔ راقم الحروف کو ۲۰۰۶ء میں امریکہ کا دورہ کرایا گیا جس میں واشنگٹن میں 'یو ایس انسٹیٹیوٹ فار پیس سٹڈیز' میں بھی مجھے لے جایا گیا جو امریکی لابی کا مرکزی ادارہ ہے۔ اور میں اس مذاکرہ میں یہ نشاندہی کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں قائم این جی او جو آج کے مکالمہ کی منتظم ومیزبان ہے، اس کا نام ہو بہو وہی ہے جو واشنگٹن کے ادارہ امن کا ہے، صرف یو ایس کی جگہ پاکستان کا فرق ہے۔ آج ہمارا میزبان ادارہ امن کے فروغ کی بات کرتا ہے۔ یہ ادارہ اپنے دعویٰ میں اُس وقت سچا ثابت ہو گا جب امن کے اصل مجرموں: امریکہ اور عالمی استعمار کے خلاف بھی یہ سیمینار اور مذاکرے منعقد کرے اور جب یہ این جی او امن وسلامتی کے دشمن مسلم ممالک کے ظالم حکمرانوں کی عوام شکن پالیسیوں کو بھی ہدفِ تنقید بنائے، جن سے دنیا کا امن مجروح ہو کر رہ گیا ہے۔ تصویر کا صرف ایک رخ پیش کرنا امن کے لئے کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ سیاسی تکفیر وخروج کے پیرو غلط منہاج پر کاربند ہیں، لیکن ان کو غلط کہنے والی زبانیں اور اُن کی اصلاح کے لئے مجتمع ہونے والے اہل علم اُن کی کوتاہی کی اصل وجہ کو ترک کر دیں اور اصل ظالم کو نظر انداز کر کے صرف مظلوم سرحدی عوام کی مذمت پر اکتفا کریں تو یہ بھی ایسا 'کلمہ حق' ہے جس کا مقصد آخر کار باطل کی تقویت ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ ظلم وبربریت کو کسی بھی طرح قبول نہ کیا جائے، اس کے خلاف ہر طرح مزاحمت کی جائے اور ظلم کے دفاع کے لئے جائز راستے تلاش کرنے اور ان راستوں پر عمل پیرا ہونے والوں کی ممکنہ تائید ومعاونت پر مجالس ومباحثے منعقد کیے جائیں، کیونکہ مسائل کا دائمی اور حقیقی حل اسی صورت ممکن ہے جب ان کو مبنی بر حقائق وانصاف طریقے سے حل کیا جائے، کسی حقیقی مسئلہ کو وقتی طور پر دبا دینا اور کسی متاثرہ فریق کو مجبور کر دینا کبھی بھی دائمی امن وسکون کی کافی بنیاد نہیں بن سکتا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم ممالک میں نافذ العمل جمہوری نظاموں میں خروج کی بحث اصلاً ہی غلط ہے!

⑥ یہ ہے وہ فقہ الواقع جس میں ہمیں سیاسی تکفیر وخروج پر گفتگو کرنا ہے۔ شرعی مسئلہ کی دقیق تفصیلات میں اُترنے سے قبل یہ نشاندہی کرنا مناسب ہوگا کہ پاکستان کے حالیہ تناظر میں اس موضوع کا انتخاب ہی خلطِ مبحث ہے۔ خروج کے بارے میں احادیث اور فقہ میں جو تفصیلات ملتی ہیں وہ خلافتِ اسلامیہ کے تناظر میں ہیں۔ 'خروج' اسلام کے سیاسی نظام 'خلافت' کا ایک تصور ہے جس میں اللہ کے دین کو نافذ کرنے والے خلیفہ کے بارے میں بعض تفصیلات کے ساتھ خروج کے امکان وعدم پر گفتگو کی جاتی ہے۔ پاکستان یا مسلم ریاستوں کا موجودہ نظام کسی بھی طرح خلافت کے تقاضے پورے نہیں کرتا، کیونکہ یہ اپنی اصل سے ہی غیر اسلامی ہے۔ اس مکالمہ کے شرکا کو میں متوجہ کرنا چاہوں گا کہ کیا ہمیں پاکستان پر قابض و آمر جنرل پرویز مشرف کے بارے میں خروج کی احادیث سے استدلال کرنا ہے یا اُن کے نقش قدم پر چلنے والے صدر آصف علی زرداری کے بارے میں؟ پرویز مشرف تو ایسا بدترین آمر ہے جس کو شریعت سے مستغنی نام نہاد 'سول سوسائٹی' کو بھی معزول کرنے کی ہر ممکنہ جدوجہد کرنی چاہئے۔ ملک کو امریکہ کی کالونی بنا دینے اور عوام کے لئے جینا دوبھر کر دینے والے زرداری کے بارے میں کیا ہمیں خروج کی احادیث کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ صدر حسنی مبارک، زین العابدین، معمر قذافی اور حافظ الاسد جیسے حکمران کونسے خلیفہ راشد ہیں، نفاذِ دین کی کیا ذمہ داری پوری کرتے ہیں، اور اپنے عوام کی کیا خدمت کرتے ہیں کہ اُن کے سامنے مزاحمت کرنے والوں کو حدیث وفقہ میں وارد مقدس عبارات سنا کر خاموش کیا جائے۔ ایسے حکمرانوں سے تو کسی بھی طرح پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنی چاہئے جو صرف اہل دین نہیں، بلکہ ان ممالک میں بسنے والے تمام باشندوں حتیٰ کہ دہریوں اور ہندوؤں کا بھی عوامی فرض ہے۔ الغرض خروج جو خلافتِ اسلامیہ کا ایک تصور ہے، اس کو جمہوریت وآمریت کے مغربی نظاموں میں ٹانکنا خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جمہوریت ایک غیر اسلامی نظام سیاست ہے!

⑦ اس موقع پر جمہوریت کے بارے میں بھی واضح ہو جانا چاہئے کہ ماضی میں ہمارے اہل علم نے جمہوریت کو محض اپنے آپ کو عہدے کے لئے پیش کرنے کی علت کی بنا پر غیر اسلامی ٹھہرایا تھا مزید برآں اُنہوں نے حاکمیتِ عوام کے غلط نظریے کی بنا پر اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہے کہ جمہوری نظام اپنی ساخت، ڈھانچے، نتائج اور میکنزم کے لحاظ سے ایک کامل غیر اسلامی نظام ہے جس کو کسی بھی قسم کی پیوند کاری سے اسلامی نہیں بنایا جاسکتا۔ کسی بھی سیاسی نظام کا انحصار اس کے نظریۂ حاکمیت پر ہے اور وہی اس کی اصل حیثیت کا تعین کرتا ہے۔ خلافت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے اپنے تمام عناصر اور ادارے بروے کار لاتی ہے جبکہ جمہوریت عوام الناس بلکہ غالب جمہور کی حاکمیت کے ذریعے عوامی خواہشات کو معاشرے پر مسلط کرتی ہے۔ مسلم خلیفہ اللہ کے دین کو اپنے اور دوسروں پر نافذ کرنے کے لئے ہوتا ہے جبکہ جمہوریت میں قانون کی تشکیل اور عوامی حاکمیت کے لئے قوی ترین ادارہ پارلیمنٹ کے نام سے موجود ہوتا ہے۔ جمہوری نظام میں اللہ کے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے، عوامی نمائندے دلیل شرعی کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی ووٹنگ کی قوت سے کسی قانون کا نفاذ کرتے ہیں۔ کسی حکم کا جمہوری ملک میں نفاذ اللہ کے قرآن کی بنا پر نہیں بلکہ مقننہ کے ووٹوں کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ جمہوری ملک میں اسلام کے اسی حق پر اکتفا کرلیا جاتا ہے کہ کوئی قانون خلافِ اسلام نہیں بنے گا، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو اسلام کا سلبی تقاضا ہوا، ایجابی طور پر اسلامی نظام کے نفاذ کی کوئی ذمہ داری بھی حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ جمہوریت اللہ سے بغاوت اور انسان پرستی کے مغربی سیاسی نظریے کا مکمل اظہار ہے۔ بعض مسلم دانشوروں کی مرعوبیت اس شرمناک حد کو پہنچ چکی ہے کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعض عوام دوست اقدامات کو ان کا جمہوری رویہ قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں، جبکہ سیدنا عمر ایک مسلمہ خلیفہ راشد تھے، خلافتِ اسلامیہ اس وقت کا نظام تھا اور اس عظیم خلیفہ کے تمام رویے خلافتی رویے اور شرعی رجحانات ہی تھے۔ اسلام کو اپنے نظریات کے بیان اور نکھار کے لئے کسی دوسرے فلسفے یا نظریے کے الفاظ مستعار لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جو یہ سمجھتا ہے وہ خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں کرتا۔ پہلے جمہوریت یا انسانی حقوق کو اسلام سے ثابت کیا جاتا ہے، پھر اُن کو اللہ کے دین اسلام کا متبادل بنا کر، اُن کے تقدس کی مالا جپنا شروع کردی جاتی ہے اور اس طرح مغرب کا خواہش پرست انسان اور اللہ کا متبع مسلمان ایک مساوی مقام پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ کیسا اسلام ہے جو اپنے ظہور وکمال کے لئے مغرب کے ارتقا کا منتظر اور اصطلاحات کا محتاج ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام صرف اور صرف خلافت ہے، اس وقت تک باقی تمام کوششیں وقتی مجبوریاں، مصلحتیں اور حالات کا جبر ہیں، اُنہیں اسلام کا متبادل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پاکستان میں حاکمیتِ الٰہیہ کا نظریہ صرف دستور کا زیبِ عنوان ہے، عملاً پورا دستور مغربی جمہوریت کا چربہ ہے۔ حاکمیتِ الٰہیہ کے نظریے کو عملاً پورے دستور میں 'خلافِ اسلام' ہونے کے تحفظ سے زیادہ کوئی وزن نہیں دیا گیا، اور یہ تحفظ بھی پیچ در پیچ تاویلات اور نظریہ ہائے ضرورت سے عبارت ہے!!

استعمار کی منظورِ نظر مسلم حکومتوں کی مغربی کسوٹیاں

⑧ وہ جمہوریت جس کو امریکہ عالم اسلام میں پروان چڑھانا چاہتا ہے، اور اُن کی امداد کو اس سے مشروط کردیتا ہے، آیئے ملتِ اسلامیہ کے اس مجسم دشمن کے وہ دیگر معیار بھی ملاحظہ کریں جو اُس نے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی بھی ملک اور سیاسی وعوامی جماعت کے قابل قبول یا اعتدال پسند ہونے کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ امریکی تھنک ٹینک 'رینڈ' نے چھ معیارات قائم کئے ہیں: (۱) وہ جماعت جمہوریت کی داعی اور اس پر کاربند ہو۔ (۲) وہ جماعت مرد وزن کی مساوات کے مغربی نظریے کی قائل اور علم بردار ہو (اس نظریے کی تفہیم کے لئے سیڈا، عالمی خواتین کانفرنسوں مثلاً قاہرہ و بیجنگ کانفرنس وغیرہ کی سفارشات ملاحظہ ہوں)۔ (۳) وہ جماعت مذہبی اقلیات کے حقوق اور تحفظ پر کاربند ہو۔ (۴) وہ جماعت اسلام کی کسی ایک تعبیر پر اصرار نہ کرتی ہو بلکہ ہر دور کے لحاظ سے نئی تعبیر کا امکان مانتی ہو۔ (۵) وہ انتہا پسندی اور تشدد سے محترز ہو اور (۶) دہشت گردی کی مذمت کرتی اور اس کے خلاف اقدامات بروے کار لاتی ہو۔ (الوسطیۃ: الطریق إلی الغد از ڈاکٹر عبداللہ یحییٰ، ریاض)

پاکستانی علما کا جمہوریت کے زیر سایہ اسلامی قانون سازی کی جدوجہد کرنے کا مسئلہ

⑨ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں علماے کرام جمہوریت کے تحت نفاذِ اسلام کی جدوجہد کر رہے ہیں یا پھر اسلامی قانون سازی مثلاً حدود قوانین، توہین رسالت کا قانون، قصاص ودیت کے قوانین کی جدوجہد میں سالہا سال سے شریک ہیں۔ اس تناظر میں بعض دانشور تو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے علما نے جمہوریت کو ہی ایک مثالی نظام سمجھتے ہوئے اس کے تحت اسلامی قانون سازی کو ایک مثالی حکمتِ عملی کے طور پر اختیار کیا ہے اور وہ جمہوری سیاسی جدوجہد کے ذریعے ہی اسلام کی برکات کے منتظر ہیں، حتیٰ کہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ان اقدامات کے ذریعے جمہوری اقدامات پر پاکستانی علما کا اجماع ہو چکا ہے، حالانکہ یہ امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اصل صورتحال اس سے مختلف ہے جس کی وضاحت کے لئے ہمیں ماضی میں جانا پڑے گا۔

اُنیسویں صدی میں جدید مغربی نظریات جب پروان چڑھے اور اس کے نتائج نکلے تو مغربی قوتیں پورے عالم اسلام میں نو آبادیاں بنانے چل پڑیں، بیسویں صدی میں مغربی قوتیں، آپس میں جنگِ عظیم اوّل اور دوم کی شکل میں ٹکرا گئیں اور لاکھوں انسانوں کو مغربی قوتوں کی اس جنگ کا شکار ہونا پڑا، ان دونوں عالمی جنگوں کے بعد یورپی استعماری قوتیں اس قدر کمزور پڑ گئیں کہ اُنہیں چاروناچار اپنی نو آبادیوں سے نکلنا پڑا، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے موجودہ ممالک میں سے اکثر جنگِ عظیم دوم کے بعد کے بیس سالوں میں وجود میں آئے۔ پاکستان کا قیام ہو یا ہندوستان کا، ان دونوں کی آزادی یہاں کے باشندوں کی جدوجہد سے بڑھ کر برطانیہ کی کمزوری میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے اعلان سے قبل مسلمانوں کا خون بہت کم بہایا گیا اور پاکستان بننے میں جن مسلمانوں کا خون بہا، وہ قیام پاکستان کے بعد منتقلی کے مراحل کی بدترین قتل وغارت ہے۔ انگریز نے یہاں سے نکلتے ہوئے اسی نظام حیات کو تحفظ دیا جو وہ سالہا سال سے اپنے ممالک میں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلاتے آئے تھے۔ مختصر طور پر پاکستان کی آزادی اپنے زورِ بازو پر حاصل ہونے والی مکمل آزادی نہ تھی، بلکہ قابض کی کمزوری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال میں، محمد علی جناح کی پر عزم قیادت کے تحت مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ یہ آزادی حاصل کرنے والے مسلمان اور ان پر نگران عالمی استعمار نے انہیں یہ مہلت ہی نہ دی کہ وہ جمہوریت سے بالاتر کسی اور نظام کے متعلق آزاد ہو کر سوچتے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی نظریاتی غلامی اور بدترین استعماری تسلط آج تک برقرار ہے۔ پاکستان کلمہ طیبہ کے نعرے کی قوت سے وجود میں آیا لیکن قیام کے چند ماہ بعد ہی خالص اسلام کی بجائے یہ وطن پھر مغربی نظریات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ان حالات میں علما نے ایک مثالی نظام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ موجود سیاسی جبر میں ممکنہ اصلاحات کا راستہ اپنایا۔ اگر پاکستان مکمل طور پر آزاد ہو کر قائم ہوا ہوتا اور اس پر مغربی قوتوں کا تسلط نہ ہوتا تو یہاں علما یہ صورتحال کبھی اختیار نہ کرتے۔ الغرض علما کے متفقہ ۲۲ نکات ہوں، یا دستوری جدوجہد یا اسلام کے اجتماعی نظاموں کا جزوی نفاذ، حالات کے اس جبر میں علما کے پاس تبدیلی کا ممکنہ راستہ ہی یہ ہے نہ کہ یہ علما اور اسلام کا اصل مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قانونی تبدیلیوں کے نفاذ اور آج کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود بھی اسلام کی برکات حاصل نہیں ہو رہیں، کیونکہ یہ ایک مثالی طریقہ یا خالص اسلامی ہدف نہیں ہے بلکہ اُمت کو درپیش کمزوری کے حالات کی اضطراری حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے۔

تکفیر وخروج یا تشدد اور جبر مسئلہ کا حل نہیں ہیں

⑩ مذکورہ بالا گذارشات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ راقم کسی جبر و تشدد کا حامی ہے یا بعض تحریکیں نفاذ اسلام کے جو شارٹ کٹ طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کی تائید کرتا ہے۔ بلکہ مقصود مرض کی تشخیص میں اتفاق ہی ہے۔ تاہم اس مرض کا علاج کیا ہو، اس میں مسلمانوں میں مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اسلام ہنگامی قبضہ کی بجائے فرد کی اصلاح و تربیت پر زور دیتا ہے اور اصل ضرورت مسلم افراد کی معیاری تیاری، اور دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے انہیں تعلیم و تربیت دینا، پھر ایسے افراد پر مشتمل جمعیتِ اسلامی کا قوت پکڑنا، مختلف الجہت اسلامی تحریکوں و تنظیموں کا اتحاد و اتفاق کر کے، نفاذِ اسلام کے لئے ہونے والی مساعی کو تقویت دینا ہے۔ جب تک مسلم معاشرہ اصلاح و تعمیر کے ان مراحل سے نہیں گزرے گا، وقتی غلبہ یا اتفاقی قبضہ ملتِ اسلامیہ کو درپیش حالات کو مزید گھمبیر بنا دے گا۔ اسلام کے نام پر غلبہ و قبضہ جمانے والوں کی مخالفت پہلے علاقائی پولیس کی قوت سے ہو گی، پھر میڈیا اور رینجر و فوج کی قوت سے، اس کے بعد عالمی قوتیں اقوام متحدہ اور نیٹو و امریکہ کی سرپرستی میں ایسے کسی غلبہ جما لینے والے اسلامی گروہ کے خلاف اپنی قوتیں مجتمع کر دیں گی۔ غرض تکفیر و خروج اور تشدد و انتہا پسندی نہ تو اسلام کا منہاج ہیں اور نہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالات حاضرہ میں کوئی قابل عمل حل ہیں جس سے اسلام کے حق میں مثبت ودائمی اثرات مرتب ہوں ہم ان حالات میں مظلومین سے ہمدردی رکھتے ہوئے اس رویے سے برات کا اظہار کرتے ہیں۔

راقم کی اس طولانی تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے اپنے خطاب میں جو نکات اُٹھائے، بحث کا رخ اُن کی طرف مڑ گیا۔ مفتی محمد خاں قادری صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ تحریکِ طالبان پاکستان کے حوالے سے اخبارات میں جو کچھ چھپ رہا ہے، اس میں سے بہت کچھ ایسا ہے جو امریکی اور حکومتی ادارے بلاوجہ ان کے نام پر منڈھ رہے ہیں۔ اُن کے نام پر جو کچھ شائع ہوتا ہے، اس میں پوری صداقت نہیں ہوتی۔ پھر اس کے بعد اُنہوں نے تکفیر کے بہت سے اُصول وضوابط پیش کئے۔ ان کے بعد ڈاکٹر احمد نجفی نے بھی شیعہ سنّی تکفیر کے ضمن میں فقہی استدلالات اور فقہ جعفریہ کا موقف تفصیل سے پیش کیا۔ بعد ازاں مفتی منصور احمد نے توحیدِ حاکمیت کے بارے میں استدلال کرتے ہوئے اپنے خطاب میں سورۃ النساء کے ایک مکمل رکوع (آیات ۵۸ تا ۶۹) کا خلاصہ پیش کیا اور قرآن وسنت کے مطابق اپنے فیصلے نہ کرنے والوں کو قرآن کی زبان میں طاغوت اور ظالم قرار دیا۔ اس کے بعد مولانا زاہد الراشدی کا اختتامی خطاب تھا۔ مولانا زاہد الراشدی کے خطاب کا خلاصہ یہ ہے کہ

ہمارے اندر یہ علت پائی جاتی ہے کہ ہم ہر مسئلے میں شروع سے بات کا آغاز کر دیتے ہیں، جبکہ یہ مسائل پہلے بھی پیش آچکے ہیں اور ہر مسئلہ میں اکابرِ ملت پہلے ایک واضح موقف اپنا چکے ہیں۔ آج ہم آغاز کے مرحلے پر نہیں کھڑے بلکہ پاکستان کے علماے اسلام نے قرار دادِ مقاصد اور جملہ مکاتبِ فکر کے ۳۱ علما نے ۲۲ نکات پیش کئے ہیں۔ ۱۹۷۳ء کا متفقہ دستور پیش ہو کر علماے اسلام کا اتفاق حاصل کر چکا ہے۔ اس کے بعد ہمارے علما نے قانونی ودستوری جدوجہد کا راستہ پوری محنت وتدبیر کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے۔ اندریں حالات پاکستانی علما کا جمہوریت پر اتفاق ہو چکا ہے۔ اس بنا پر جمہوریت کو ہی ناقابل قبول بنا دینا، بحث کو نئے سرے سے شروع کر دینے کے مترادف ہے جو وقت کا ضیاع ہے۔ چنانچہ انہی حالات میں رہتے ہوئے ہمیں خروج کے مسئلے کا شرعی حل تلاش کرنا چاہئے۔

اُنہوں نے خلافتِ راشدہ سے اپنے موقف کا استنباط کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ سیدنا ابو بکر صدیق کی خلافت سے اس اہم سوال کا جواب ملتا ہے کہ حکمرانی کیا جبر کی بنا پر حاصل ہو گی یا عوامی رائے کی بنا پر؟ مزید برآں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اساس عوام الناس کا اعتماد ہی تھا اور یہی جمہوریت ہے۔ اس عوامی اعتماد کی بنا پر ہی سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف نے سیدنا علی کی بجائے اُنہیں خلیفہ نامزد کیا۔ غرض حکومت کا حق عوام کے منتخب نمائندوں کو ہے۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں پاکستانیوں کے انتہا پسندانہ سماجی رویوں کی اصلاح کی ضرورت پر بھی زور دیا کہ ہم جب تک کسی پر کفر، غداری یا وطن دشمنی کا فتویٰ نہ لگا لیں، ہمارے اختلاف کے تقاضے پورے ہی نہیں ہوتے۔ اُنہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ یہ دعویٰ نظر ثانی کا محتاج ہے کہ خیر القرون میں کسی کی تکفیر نہیں ہوئی، حالانکہ مانعین زکوٰۃ کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادتین کے اقرار کے باوجود تکفیر ہوئی اور اُس کے بعد ہی ان سے جنگ کی گئی تھی۔ اپنے خطاب کے آخر میں اُنہوں نے اکابر کے فیصلے کا احترام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ایک بار پھر کہا کہ ۲۲ نکات پر علما نے اتفاق کر کے جمہوریت اور اسلام کی راہ ہموار کی تھی، ہمیں اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے، یہی ماضی، حال اور مستقبل میں سلامتی کا راستہ ہے!!

راقم نے اُن کے خطاب کے بعد منتظمین سے اجازت طلب کر کے اپنی معروضات پیش کیں:

① میں اس مجلس مذاکرہ کا شکر گزار ہوں کہ اس کے ذریعے ہمیں ایسی شخصیات سے تبادلہ خیال اور استفادہ کرنے کا موقع میسر آیا جن کی ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کی مساعی دینیہ اور جہودِ طیبہ کے سامنے ہماری نگاہیں ادب واحترام سے جھک جاتی ہیں، لیکن مکالمہ کا حسن ہی یہ ہے کہ متبادل نکتہ نظر کو پوری وضاحت سے پیش کیا جائے اور میں مکالمہ کے اس حق سے ضرور فائدہ اُٹھاؤں گا۔ مولانا راشدی نے سیاسی تکفیر وخروج کی بحث میں جو استدلال پیش کیا ہے، مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ کیا میں یہ تسلیم کرلوں کہ پاکستان کے علما نے خلافت کو منسوخ قرار دے کر جمہوریت کو اس کا متبادل ہونے پر اتفاق کر لیا ہے! میں اس سے قبل اپنا موقف تفصیل سے پیش کر چکا ہوں جس میں جمہوری قانونی جدوجہد کو میں نے حالات کا جبر قرار دیتے ہوئے، اسے ایک ممکنہ سیاسی جدوجہد ہی باور کرایا ہے۔ مولانا نے اکابر کی رائے کے احترام کی بات ہے جبکہ ہمارے پڑوس میں جب علماے احناف کو جہادِ افغان کے بعد اپنے زورِ بازو سے افغانستان میں حکومت ملی تو طالبان کے حنفی اکابر نے وہاں جمہوری نظام کی بجائے 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' کے نام سے نظام امارت اختیار کیا۔ مجھے یہ بیان کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اسلامی نظام کی برکات سے جس تیزی سے افغان معاشرہ مستفیض ہوا، اس کی مثال موجودہ سیاسی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی حالیہ تاریخ میں دو ہی جگہ اسلامی نظام کی برکات سامنے آئیں: افغانستان اور سعودی عرب میں اور دونوں جگہ جمہوریت موجود نہیں تھی۔ اس لئے اکابر ملت ہوں یا فقہاے عظام، ان کا حوالہ دے کر خالص اسلامی نظام خلافت کا مقام جمہوریت کو عطا نہیں کیا جاسکتا۔ یوں بھی اکابر کا حوالہ دے کر قرآن وسنت سے استدلال کے سلسلے کو ختم نہیں جاسکتا۔ جمہوریت ایک غیر اسلامی نظام ہے اور اسمیں خروج کی بحث کرنا ایک کارِ لاحاصل ہے۔

② جہاں تک پاکستان میں اسلامی قانون سازی یا جمہوریت کے حق قانون سازی کا تعلق ہے تو یہ نشاندہی کرنا بھی ضروری ہے کہ تیرہ صدیوں کی اسلامی تاریخ کسی بھی قانون سازی سے محروم رہی ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے قانون سازی کا رویہ فرانس کی اتباع میں سلطنتِ عثمانیہ کے آخری ادوار میں 'مجلہ احکام عدلیہ' کی صورت نظر آتا ہے۔ میثاقِ مدینہ جسے اسلامی دستور قرار دیا جاتا ہے، اگر کوئی مستند دستاویز ہے بھی تو وہ یہود کے مدینہ منورہ میں قیام تک ہی مؤثر رہی۔ جب

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہود نے وعدہ خلافیاں کیں اور قرآن نے اُن کے خلاف نبی کریم ﷺ کو جہاد کا حکم دیا اور وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے تو اُس کے بعد یہ دستاویز مؤثر نہیں رہی۔ بعض دانشوروں کا خلافتِ راشدہ اور بعد کے ادوار میں اس میثاق کو دستورِ اسلامی قرار دینے کا نظریہ سراسر حقائق سے لاعلمی ہے۔ اسلامی تاریخ میں سلطنتِ عثمانیہ کے مجلہ احکام عدلیہ کی قانونی تشکیل وہ پہلا مرحلہ ہے جب قرآن وسنت کی بجائے انسانوں کے بنائے یا تجویز کردہ قانونی الفاظ معیارِ عدل قرار پائے لیکن ڈیڑھ سو سال کی حالیہ مسلم تاریخ شاہد ہے کہ قانون سازی اور جمہوریت نوازی کے اس رجحان کے نتیجے میں کسی بھی ملک کو اسلام کی برکات نصیب نہیں ہو سکیں۔ یہی قانون سازی بعد میں پورے انسانی قانون کی بنیاد بنتی ہے، جو آخر کار طاغوت تک جا پہنچتی ہے۔ واضح رہے کہ احناف کے ہاں بھی خلیفہ کی نیابت کرتے ہوئے تعزیرات کے باب میں مباحات کے مابین کسی ایک مباح کو مستقل قانون سازی کے طور پر اختیار تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت کے وہ میدان جہاں واضح اسلامی احکامات موجود ہوں، ان کو نظر انداز کر کے وہاں مستقل انسانی قانون سازی کا راستہ ہی اختیار کر لیا جائے، یہ سراسر ناجائز ہے۔

- جہاں تک حضرت راشدی صاحب نے عوامی اعتماد کی بات کی ہے تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ خلافتِ اسلامیہ میں عوامی اعتماد کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے لیکن اگر عوامی اعتماد ہی انتخابِ امیر کی اساس ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہوریت اور خلافت میں حدِ امتیاز کیا ہے؟ خلافت دراصل اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے قائم ہوتی ہے۔ وہ مسلمان فرد جو دین الٰہی کے قیام اور دفاع کے لئے علم وعمل کے لحاظ سے اَصلح ہو، اس کو اہل حل وعقد خلیفہ بناتے ہیں، جس کی بعد میں عامۃ المسلمین بیعت کرتے ہیں۔ اس مرکزی نکتہ کے بعد میسر افراد میں جس شخص کو عوامی اعتماد بھی حاصل ہو، اُس کو بھی ایک وزن دیا جاتا ہے۔ اگر عوامی حاکمیت کا اسلام میں اتنا ہی اعتبار ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے کفر واسلام کا ٹکھار کئے بغیر مکہ مکرمہ میں حاکمیتِ عوام قائم کیوں نہیں کر دی تھی؟ بلکہ دراصل آپ ﷺ نے اللہ کی بندگی میں چلنے والا ایک پورا معاشرہ قائم کیا، خلیفہ کے ذریعے اس کو تحفظ دیا، جزا وسزا کا نظام نافذ کیا اور اس کے بعد عوامی اعتماد کو بھی پیش نظر رکھا۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت میں تو عوامی انتخاب واعتماد ایک مرکزی قوتِ محرکہ کے طور پر موجود ہوتا ہے جبکہ خلافتِ اسلامیہ میں نفاذِ شریعت اسی مقام پر ہوتا ہے اور عوامی اعتماد انفعالی درجے میں موجود ہوتا ہے۔ انتخابِ امیر کا فیصلہ محض عوامی اعتماد کی بنا پر نہیں کیا جا سکتا تاہم شریعت کو نافذ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے فرد میں اُس کو بھی دیکھا جاتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا زاہد الراشدی نے راقم کے اس تبصرہ پر یہ ارشاد فرمایا کہ اوّل تو قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب الخراج 'اسلام میں قانون سازی کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ نیز سیدنا ابو بکر کا انتخاب بھی جمہوریت کے حق عوام کی نشاندہی کرتا ہے۔ بعد ازاں مجھے فرمانے لگے کہ افغانستان و سعودی عرب کے حوالے سے جو بات آپ نے کہی ہے، اس میں حالات کا فرق ہمیں ضرور ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے۔

یہاں قارئین محدث پر یہ واضح رہنا چاہئے کہ کتاب الخراج' تو فقہی احکام و مسائل کی ایک کتاب ہے، اس میں دفعہ اور شق وار کوئی قانون نہیں ملتا جس کی پابندی ملتِ اسلامیہ پر سرکاری طور پر واجب ہو۔ پھر سیدنا ابو بکر کے انتخاب کی پوری تفصیلات کو دیکھا جائے تو وہ خالصتاً خلافتی انتخاب تھا، اس سے قبل کوئی ووٹنگ نہیں ہوئی تھی۔ مولانا راشدی نے سعودی عرب وافغانستان کے بارے میں حالات کے فرق کا موقف اپنا کر میرے ہی موقف کو تقویت دی کہ اسلام کا اصل نظام خلافت ہی ہے جسے امارتِ اسلامیہ افغانستان نے اختیار کرنے کی اُصولی طور پر کوشش کی ہے اور سعودی عرب نے بھی بعض سیاسی کوتاہیوں کے باوجود اسلام کا نظامِ عدل یعنی قرآن وسنت کو براہِ راست علما قضاۃ کے ذریعے نافذ کر رکھا ہے۔ اور پاکستان میں ہونے والا قانون سازی کا تجربہ دراصل حالات کا جبر ہے، اس بنا پر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ علما نے جمہوریت کو ہی اسلام کا مثالی نظام باور کر لیا ہے۔ اندریں حالات علما کی تمام دستوری جدوجہد حالات کے جبر میں ممکنہ گنجائش سے ہی عبارت ہے۔ اس بنا پر خروج وغیرہ کی بحثیں یا اہل ذمہ وغیرہ کی گفتگو، یہ تمام چیزیں جمہوری نظام میں خلطِ مبحث ہی ٹھہرتی ہیں۔

دوسری نشست: پاکستانی سیاست کے تناظر میں خروج کا مسئلہ

مکالمہ کی دوسری نشست کا موضوع خروج اور اس سے متعلقہ مباحث تھیں۔ مکالمہ کے میزبان جناب حافظ عمار ناصر نے یہ بنیادی سوال قائم کیا کہ اگر خروج و تکفیر درست حکمتِ عملی نہیں تو پھر اس کا متبادل کیا ہونا چاہئے؟ اس پر براہِ راست گفتگو کی ضرورت ہے۔

مفتی منصور احمد صاحب نے فرمایا کہ پہلی نشست کے خاتمے تک یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ خروج کی بحث موجودہ جمہوری تناظر میں نہیں کی جاسکتی۔ خروج کے بارے میں سرحدی علاقوں میں ہونے والے ظلم وستم کا تذکرہ پوری شدت سے کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس جدوجہد کو شرعی مباحث کی بجائے ایک خالص ردعمل کے تناظر میں دیکھنا چاہئے جس طرح بلوچستان کے عوام کی جدوجہد کو دیکھا جاتا ہے۔

---

۱ تفصیل کے لئے دیکھیں: "خلفاے راشدین کا تعین شورائی تھا۔" محدث: جون ۲۰۰۹ء، ج ۴۱، عدد ۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعتِ اسلامی کے ڈاکٹر فرید احمد پراچہ اس موقع پر تشریف لائے اور اُنہوں نے کہا کہ اس نوعیت کی عالمانہ بحثوں میں صرف علما کو مدعو کر لیا جاتا ہے، حالانکہ علما پہلے بھی ان مسائل کو جانتے ہیں۔ اس بحث کا مؤثر تر فریق حکومتِ وقت ہے اور اُن کے نمائندے بھی ایسے مذاکروں میں ضرور ہونے چاہئیں تاکہ دوطرفہ موقف سنا سنایا جائے اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔ اُنہوں نے حکمرانوں کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے سرحدی عوام کی اس جدوجہد کو اُن پر ہونے والے ظلم و ستم کا ردعمل قرار دیا اور کہا کہ ان حالات میں جمہوری جدوجہد سے ہی سیاسی جبر واستبداد کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ترکی، فلسطین اور الجزائر میں جمہوری عمل کے نتیجے میں اسلام پسند کامیاب ہو چکے ہیں۔ اور وقت آرہا ہے کہ عوامی لہر کو عالمی استعمار مزید دبانے میں کامیاب نہیں رہے گا۔

ان کے خطاب کے بعد جناب صاحبزادہ طاہر محمود اشرفی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، ان کا خطاب جنرل پرویز مشرف کے اقدامات کی جزوی تائید اور اہل تکفیر کی مذمت کے ساتھ ساتھ اسلامی موقف کو واضح کرنے کی ضرورت پر مبنی تھا۔ اس خطاب میں دونوں طرف کے دلائل پائے جاتے تھے جسے نامعلوم کس مہارت سے اُنہوں نے ایک ہی نشست میں جمع کر دکھایا۔ ان کے خطاب کے بعد علامہ احمد علی قصوری نے اُن کو آڑے ہاتھوں لیا اور اُن کے ماضی اور حال کے سیاسی کردار کا ایک نقشہ پیش کیا۔ یہ دونوں خطابات چونکہ گذشتہ دس سالہ دور کی سیاسی کشمکش کا نقشہ پیش کر رہے تھے، اس لئے ایک علمی مباحثہ میں ان سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔ راقم کا خروج کی شرعی حیثیت پر کیا موقف تھا؟ اس کی تفصیل کو بھی بوجہ طوالتِ مضمون کسی اور موقع پر پیش کیا جائے گا۔

الغرض 'پاکستان انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' کے زیر نظر مکالمہ خروج و تکفیر کے پیش نظر جس دہشت گردی کی مذمت تھی جیسا کہ ان کے لائحۂ بحث سے مترشح تھا، تو راقم نے تکفیر کو غلط شرعی منہاج قرار دیتے ہوئے، اس طرف حاضرین کو توجہ دلائی کہ ہمیں صرف نتیجہ کی بجائے، وجوہات اور اسباب کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے اور ظلم کے حقیقی اسباب کے خاتمے کی مؤثر جدوجہد کرنی چاہئے، اسی طرح اس ظلم کے نتیجے میں جو لوگ شہید ہو رہے ہیں، ان سے بھی ہمدردی رکھنا ہمارا ملّی فریضہ ہے۔ اسلام آباد میں ہونے والے تیسرے مذاکرہ کی روداد اور اس میں اُٹھائے جانے والے سوالات کی تفصیل آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

حرفِ اعتذار

محدث کا یہ شمارہ دسمبر ۲۰۱۱ء اور جنوری ۲۰۱۲ء کا مشترکہ ہے۔ اس لئے ضخامت معمول سے زیادہ ہے۔ ادارہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری

المکتبۃ الرحمانیۃ

اُساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

خصوصیات

- ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی ودینی کتابیں
- بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
- کارڈ کیٹلاگ کے ذریعے کتب تک آسان رسائی
- پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
- فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
- قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
- عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
- فوٹو کاپی کروانے کی سہولت ورمسجد کا انتظام
- پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں

سہولیات

ایئر کنڈیشنڈ ہال اور مستقل نشستیں

- جملہ اُردو وعربی تفاسیر اور علومِ قرآن کی تمام کتب
- حدیث نبوی، شروحِ حدیث اور علومِ قرآن کے بیشتر مراجع
- فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ
- Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت

اَوقات

صبح 7 تا 4 بجے (چھٹی بروز جمعہ)

بمقام

ادارہ 'محدث' 99/ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون 042-35866396

موبائل 0305-4600861 (لائبریرین: محمد اصغر)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابو عبد اللہ طارق[1]

اہل السنّۃ اور مُرجئہ کون ہیں؟

[ائمۂ اسلاف کی فرامین کی روشنی میں]

اوائل اسلام میں جب مختلف فتنوں نے سر اُٹھایا تو ائمہ اہل السنۃ کی طرف سے ان کی بھرپور علمی تردید کی گئی۔ ان میں سے 'مسئلۂ ایمان وکفر' میں ایک طرف خوارج ومعتزلہ تھے تو دوسری انتہا پر مرجئہ وجہمیہ جمے ہوئے تھے۔ جبکہ اہل السنّۃ ان دو انتہاؤں کے وسط میں راہِ اعتدال پر قائم تھے اور آج بھی ہیں اور یہ بھی حقیقت بلاریب ہے کہ مرجئہ وجہمیہ کی طرف سے اہل السنۃ کو خارجی ہونے کا الزام دیا گیا اور خوارج ومعتزلہ کی طرف سے اہل السنۃ کو مرجئہ ہونے کا طعنہ دیا گیا جبکہ ائمہ اہل السنۃ نے اِفراط وتفریط پر مبنی ان افکار ونظریات اور ان کے حاملین کا رَدّ کرتے ہوئے ان سے ہمیشہ برات کا اظہار کیا۔

اب ماضی قریب میں بعض عرب علاقوں میں خوارج ومعتزلہ کے نظریات کے زیر اثر اور بعض مسلم حکام کے ظلم وستم کے ردّ عمل میں تکفیری افکار اور تحریکوں نے سر اُٹھایا تو علماے اہل السنّۃ نے اُن کا بھرپور تعاقب کیا۔ جس پر اِن تکفیری حضرات کی جانب سے اپنے بڑوں کی روش پر اہل السنۃ والجماعہ اور سلفی نظریات کے حامل علما کو مرجئہ وجہمیہ کے القابات سے نوازا گیا اور ہمارے اس دور میں پاکستان میں بھی انہی نظریات کے زیر اثر یالاعلمی کی بنا پر بعض حضرات ابو بصیر عبد المنعم طرطوسی[2] اور ابو عزیر عبد اللہ یوسف الجزائری ایسے حضرات کے انہی افکار ونظریات کو اُمت میں بیداری واِحیا کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ پھر انہی افراد کی طرف سے شیخ ابن باز، شیخ محمد بن صالح عثیمین اور شیخ صالح فوزان وغیرہ علما

---

۱ اُستاد جامعہ لاہور اسلامیہ (البیت العتیق، برانچ جوہر ٹاؤن)، لاہور

۲ جو بذاتِ خود طاغوتِ اعظم برطانیہ میں 'مستامن' کا حیلہ کر کے وہاں رہائش رکھے ہوئے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو طرح طرح کے القاب و اِلزامات سے نوازنے کے علاوہ شیخ البانی اور ان کے اصحاب کو مرجئہ وجہمیہ کے طعنے بھی دیے جارہے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں اسی بات کو اقوالِ سلف سے واضح کیا گیا ہے کہ ایمان اور اِرجا کیا ہے اور مرجئہ وجہمیہ کون ہیں؟ اور اہل السنۃ والجماعہ کو خارجی و معتزلی نظریات کے حامل حضرات کی طرف سے جو مرجئہ وجہمیہ ہونے کا طعنہ دیا جارہا ہے، وہ سراسر باطل ہے۔ اس سلسلے میں پہلے ہم ایمان کی تعریف اور اِرجا کے مفہوم سے موضوع کا آغاز کرتے ہیں:

ائمۂ اہل سنت کے نزدیک 'عمل' ایمان کا جز ہے، اور ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اِقرار اور عمل سے مرکب ہے، اور ایمان میں کمی و بیشی بھی ہوتی ہے۔ اکثر ائمۂ اسلاف ایمان کو 'قول و عمل' کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور قول سے ان کی مراد ہے: قولِ قلب یعنی دل سے تصدیق اور قولِ لسان یعنی زبان سے اِقرار ...

اسی طرح عمل کی بھی دو قسمیں ہیں: عملِ قلب اور عملِ جوارح[1]

اہل السنہ والجماعہ کے ہاں 'ایمان کیا ہے؟'

① عقیدہ طحاویہ کے مشہور شارح امام ابن ابی العز حنفی راقم ہیں:

ولا خلاف بين أهل السنة والجماعة أن الله تعالىٰ أراد من العباد القول والعمل وأعني بالقول: التصديق بالقلب والإقرار باللسان وهٰذا الذي يعنى به عند اطلاق قولهم: الإيمان قول و عمل[2]

"اہل سنت کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے قول و عمل کو چاہتے ہیں اور قول سے میری مراد ہے: دل سے تصدیق اور زبان سے اِقرار، اور ایمان قول و عمل پر مشتمل ہے۔"

② شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابوعبید قاسم بن سلام کے حوالہ سے اہل مکہ، اہل کوفہ، اہل بصرہ، اہل واسط اور اہل مشرق کی ایک بہت بڑی جماعت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

۱ الایمان از ابن تیمیہ: ص ۱۴۹، ۱۳۷؛ کتاب الصلوٰۃ از ابن قیم: ص ۲۶؛ شرح العقیدہ الطحاویہ از ابن ابی العز حنفی: ص ۳۴۱، ۳۳۳

۲ شرح العقیدۃ الطحاویہ: ص ۳۳۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قال أبو عبيد هٰؤلاء جميعًا يقولون: الإيمان قول و عمل يزيد و ينقص وهو قول أهل السنة والجماعة المعمول به عندنا[1]

"ابوعبید نے کہا کہ یہ سب (یہی) کہتے ہیں ایمان قول و عمل ہے۔ اس میں کمی بیشی ہوتی ہے اور یہی اہل السنہ والجماعہ کا قول ہے جو کہ ہمارے ہاں معمول بہ ہے۔"

③ ابو یوسف یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں:

الإيمان عند أهل السنة والجماعة: الإخلاص لله بالقلوب والألسنة والجوارح وهو قول وعمل ويزيد وينقص، علىٰ ذلك وجدنا كل من أدركنا من عصرنا بمكة والمدينة والشام والبصرة والكوفة.[2]

"اہل سنت کے ہاں ایمان دلوں، زبانوں اور جوارح کے ساتھ اللہ کے لیے اِخلاص ہے اور یہ قول و عمل ہے، اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ ہم نے اپنے زمانہ میں مکہ، مدینہ، شام، بصرہ اور کوفہ میں سب کو اسی موقف پر پایا ہے۔"

④ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

أدركتُ أهل السنة والجماعة على ذلك[3]

"میں نے اہل سنت والجماعت کو اسی پر پایا ہے۔"

اور پھر ائمہ اسلاف، فقہاے کرام اور محدثین عظام میں سے بہت بڑی جماعت کے نام ذکر کرتے ہیں کہ یہ اسی مذہب کے قائل تھے۔

⑤ مذاہب اور فرقوں کے موضوع پر لکھے جانے والے انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

أما أهل السنة والجماعة فإن الإيمان عندهم تصديق بالجنان وقول اللسان عمل بالأركان يزيد بالطاعة و ينقص بالمعاصي[4]

"اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور عمل بالارکان ہے، اس میں نیک اعمال سے اِضافہ ہوتا ہے اور نافرمانی کی وجہ سے کمی۔"

١ الایمان: ص ٢۴٣

٢ شرح أصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ٢/ ٦٠

٣ ایضاً: ٢/ ٥٦

۴ الموسوعۃ المیسرۃ فی الادیان والمذاہب والاحزاب المعاصرۃ: ٢/ ٩٥۴، ١/ ۴۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ و تابعین عظام

⑥ امام بغوی فرماتے ہیں:

اتفقت الصحابة والتابعون فمن بعدهم من علماء السنة علىٰ أن الأعمال من الإيمان... وقالوا إن الإيمان قول وعمل وعقيدة يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية.[1]

"صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور ان کے بعد علماے سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان میں سے ہیں اور یہ کہ بلاشبہ ایمان قول و عمل اور عقیدہ ہے۔ نیکی سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور نافرمانی سے کمی واقع ہوتی ہے۔"

⑦ صحابہ کرام کے بارے میں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

والمأثور عن الصحابة و أئمة الدين وجمهور السلف وهو مذهب أهل الحديث وهو المنسوب إلىٰ أهل السنة أن الإيمان قول وعمل، يزيد وينقص، يزيد بالطاعة و ينقص بالمعصية وأنه يجوز الاستثناء فيه[2]

"صحابہ رضی اللہ عنہم ، ائمہ دین اور جمہور سلف سے منقول، اور یہی اہل حدیث کا مذہب ہے، اور اہل السنہ کی طرف اسی کی نسبت ہے کہ ایمان قول و عمل ہے، اس میں کمی وبیشی واقع ہوتی ہے۔ نیکی سے ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور معصیت سے کم اور بلاشبہ ایمان میں استثنا جائز ہے۔"

⑧ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

فذهب السلف إلىٰ أن الإيمان يزيد وينقص وأنكر ذلك أكثر المتكلمين[3]

"سلف صالحین کے ہاں ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے اور (سلف کے اس موقف کو ماننے سے) اکثر متکلمین نے انکار کیا ہے۔"

---

۱ شرح السنۃ از بغوی: ۱/ ۷۸

۲ مجموع الفتاویٰ از ابن تیمیہ: ۷/ ۵۰۵

۳ فتح الباری: ۱/ ۶۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑨ صحابی رسول عبد اللہ بن مسعودؓ دعا کیا کرتے تھے:

اللهم زدنا إيمانًا ويقينًا وفقهًا[1]

''اے اللہ ہمارے ایمان، یقین اور دین کی سمجھ میں اضافہ فرما۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

إسناده صحيح وهٰذا أصرح في المقصود[2]

''اس (اثر) کی سند صحیح ہے اور یہ مقصود (یعنی ایمان میں کمی و بیشی ہونے) میں واضح ترین ہے۔''

⑩ صحابی رسول جندبؓ فرماتے ہیں:

ہم طاقتور نوجوان نبی ﷺ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ فتعلّمنا الإيمان قبل أن نتعلّم القرآن ثم تعلّمنا القرآن بعد فازْدَدْنا اعراب؟ إيمانًا[3]

''ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان کو سیکھا پھر اس کے بعد ہم نے قرآن کو سیکھا تو ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگیا۔''

⑪ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز نے اپنے عامل عدی بن عدی کو خط لکھا:

إن للإيمان فرائض و شرائع وحدودًا وسننًا فمن استكملها استكمل الإيمان ومن لم يستكملها لم يستكمل الإيمان[4]

''یقیناً ایمان کے لیے فرائض و شرائع اور حدود و سنن ہیں، جس نے ان کو پورا کیا اس نے ایمان کو مکمل کر لیا اور جس نے اُنکو پورا نہیں کیا اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا۔''

⑫ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

والغرض من هذا الأثر أن عمر بن عبد العزيز كان ممن يقول بأن الإيمان يزيد و ينقص حيث قال استكمل ولم يستكمل

''اس اثر سے مقصود یہ ہے کہ بلاشبہ عمر بن عبد العزیز ان لوگوں میں سے تھے جن

1 شرح أصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۲/ ۴۹: الایمان: ص ۷۸ا، السنۃ لعبد اللہ بن احمد: ص ۱۰۹: الشریعہ: ص ۹۰۱
2 فتح الباری: ۱/ ۶۶
3 صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی بنی الاسلام علی خمس تعلیقًا؛ شرح السنۃ از بغوی: ۱/ ۷۹
4 فتح الباری: ۱/ ۶۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی واقع ہوتی ہے جیسا کہ ان کا فرمان ہے کہ اس نے (اپنے ایمان کو) مکمل کر لیا اور (جس نے عمل نہیں کیا) اس نے اپنے ایمان کو مکمل نہیں کیا۔"[1]

ائمہ فقہائے محدثین

⑬ امام ابن ابی العز حنفی فرماتے ہیں:

فذهب مالك والشافعي والأوزاعي وإسحٰق بن راهويه وسائر أهل الحديث وأهل المدينة رحمهم الله وأهل الظاهر وجماعة من المتكلمين إليٰ أنه تصديق بالجنان وإقرار باللسان وعمل بالأركان[2]

"امام مالک، شافعی، اوزاعی، اسحٰق بن راہویہ، تمام اہل الحدیث، اہل مدینہ، اہل ظاہر رحمہم اللہ اور متکلمین کی ایک جماعت کے ہاں ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور عمل بالارکان ہے۔"

⑭ امام عبد الرزاق فرماتے ہیں:

كان معمر وابن جريج والثورى ومالك وابن عيينة يقولون: الإيمان قول وعمل يزيد وينقص وأنا أقول: ذلك الإيمان قول وعمل يزيد وينقص وإن خالفتُهم فقد ضللت إذًا وما أنا من المهتدين[3]

"معمر، ابن جریج، ثوری، مالک اور ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل ہے۔ اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ ایمان قول و عمل ہے۔ اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور اگر میں نے ان (ائمہ و فقہا) کی مخالفت کی تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں ہوں گا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: وهؤلاء فقهاء الأمصار في عصرهم

1 فتح الباری: ۱/ ۶۶
2 شرح العقیدہ الطحاویہ: ص ۳۳۲
3 الشریعہ از آجری: ص ۱۱۳؛ السنہ از عبد اللہ بن احمد: ص ۹۷، رقم ۷۴۲، واللفظ لہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ لوگ اپنے زمانے میں شہروں کے فقہا تھے۔"[1]

مسئلہ ایمان کی ماہیت میں یہی موقف امام مالک[2]، امام شافعی[3]، امام احمد بن حنبل[4] اور ائمہ ثلاثہ سے شرح العقیدہ الطحاویہ[5] میں، اور امام عبداللہ بن مبارک[6]، امام وکیع اور امام ثوری[7] سے منقول ہے۔ تفصیل کے لئے محولہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں۔

⑮ امام بخاری صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:

وهو قول وعمل ويزيد وينقص[8]

"اور ایمان قول و عمل ہے، اس میں کمی و زیادتی ہوتی ہے۔"

اور پھر اس پر بطورِ دلیل بکثرت قرآنی آیات ذکر فرماتے ہیں۔ اور آخر میں ذکر فرماتے ہیں: والحب في الله والبغض في الله[9]

اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

واستدل بذلك علىٰ أن الايمان يزيد وينقص لأن الحب والبغض يتفاوتان[10]

"امام بخاری نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہے کیونکہ محبت اور بغض میں (مقدار کے لحاظ سے) کمی و بیشی ہوتی ہے۔"

نیز فرماتے ہیں:

روىٰ اللالكائي بسند صحيح عن البخاري قال: لقيتُ أكثر من

---

۱ فتح الباری: ۱/ ۶۵
۲ الشریعہ: ص ۱۱۳
۳ فتح الباری: ۱/ ۶۵
۴ الشریعہ: صفحہ ۱۱۳
۵ صفحہ ۳۳۳
۶ السنۃ از عبداللہ بن احمد: ص ۸۵
۷ السنۃ از عبداللہ بن احمد: ص ۸۲، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۲/ ۵۹
۸ صحیح البخاری: ۱/ ۵ درسی
۹ ایضاً
۱۰ فتح الباری: ۱/ ۶۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ألف رجل من العلماء بالأمصار فما رأيت أحدًا يختلف في أن الإيمان قول وعمل ويزيد وينقص[1]

"لالکائی نے بسند صحیح امام بخاری سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے (مختلف) شہروں میں ایک ہزار سے زائد علمائے زمانہ سے ملاقات کی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایمان کے قول و عمل ہونے اور اس کے کم و زیادہ ہونے میں اختلاف نہیں کرتا تھا۔"

⑯ سہل بن التوکل شیبانی فرماتے ہیں:

أدركت ألف أستاذ وأكثر كلّهم يقولون: الإيمان قول وعمل يزيد وينقص والقرآن كلام الله غير مخلوق وكتبتُ عنهم[2]

"میں نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ کو پایا ہے، وہ سب یہی کہتے تھے کہ ایمان قول و عمل ہے۔ اس میں کمی بیشی ہوتی ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے اور میں نے ان سے لکھا (بھی) ہے۔"

⑰ امام سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا: الإيمان يزيد وينقص؟ کیا ایمان میں کمی و بیشی ہوتی ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ﴿فَزَادَهُمْ إِيمَانًا﴾[3] "اِس نے ان کے ایمان میں اِضافہ کر دیا۔"

قيل ينقص؟ قال ليس شيء يزيد إلا وهو ينقص[4]

"پھر آپ سے پوچھا گیا کہ کیا ایمان کم بھی ہوتا ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ جس چیز میں زیادتی واقع ہوتی ہے، (لامحالہ) اس میں کمی بھی واقع ہوتی ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وبثبوتها يثبت المقابل فإن كل قابل للزيادة قابل للنقصان ضرورة[1]

---

۱ فتح الباری: ۱/ ۶۵
۲ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۲/ ۶۱
۳ آل عمران: ۱۷۳
۴ الشریعہ از آجری: ص ۱۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”(ایمان میں زیادتی) کے ثبوت کے بعد اس کے مدمقابل (یعنی ایمان کا کم ہونا) بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ ہر زیادتی کو قبول کرنے والی چیز لامحالہ کمی کو بھی قبول کرنے والی ہے۔“

⑱ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عقبہ بن علقمہ فرماتے ہیں:

سألت الأوزاعي عن الإيمان أيزيد؟ قال: نعم حتى يكون كالجبال، قلت فينقص؟ قال: نعم حتى لا يبقى منه شيء[2]

”میں نے امام اوزاعی سے سوال کیا کہ کیا ایمان زیادہ ہوتا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہاں، حتیٰ کہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا ایمان کم ہوتا ہے؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہاں، حتیٰ کہ (کم ہوتے ہوتے بالآخر) کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔“

⑲ شیخ محی الدین کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی راقم ہیں:

قال الشيخ:والأظهر المختار أن التصديق يزيد وينقص بكثرة النظر ووضوح الأدلة ولهٰذا إيمان الصديق أقوٰى من إيمان غيره بحيث لا يعتريه الشبهة ويؤيده أن كل أحد يعلم أن ما في قلبه يتفاضل حتى أنه يكون في بعض الاحيان أعظم يقينًا وإخلاصًا وتوكلًا منه في بعضها وكذلك في التصديق والمعرفة بحسب ظهور البراهين وكثرتها، وقد نقل محمدبن نصرالمروزى في كتابه تعظيم قدرالصلاة عن جماعة من الأئمة نحوذلك[3]

شیخ (محی الدین) فرماتے ہیں: ”ظاہر و مختار یہی ہے کہ کثرتِ غور و فکر اور دلائل کے واضح ہونے کے سبب سے تصدیق میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ اسی لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان سب سے زیادہ مضبوط تھا اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ بلاشبہ اس کے دل میں جو (ایمان) ہے، وہ زیادہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات یقین و اخلاص اور توکل میں بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے بنسبت دوسرے اوقات کے۔ اور دلائل کے ظہور و کثرت کے حساب سے تصدیق

۱ فتح الباری: ۱/۶۵

۲ شرح أصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۲/۵۷

۳ فتح الباری: ۱/۶۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ومعرفت بھی ایسے ہی ہے اور امام محمد بن نصر مروزی نے (بھی) اپنی کتاب تعظیم قدر الصلاۃ میں ائمہ کی جماعت سے اسی کی مثل (ہی) نقل کیا ہے۔"

⑳ محدث العصر شیخ محمد ناصر الدین البانی بھی مسئلۂ ایمان میں سلف کے متبع اور اہل سنت کے ترجمان تھے، فرماتے ہیں: الإیمان یزید وینقص[1]

"ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے۔"

الغرض ائمہ فقہا و محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات اس باب میں واضح ہیں کہ

"اہل السنۃ والجماعۃ: سلف صالحین رحمہم اللہ کے نزدیک عمل ایمان کا حصہ ہے اور ایمان میں کمی و بیشی واقع ہوتی ہے۔"

إرجاء

① شیخ محمد بن عبد الکریم شہرستانی راقم ہیں:

والإرجاء علیٰ معنیین: أحدهما: التاخیر کما في قوله تعالیٰ ﴿قَالُوْا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ﴾[2] أی أمهله. والثاني: إعطاء الرجاء... أما اطلاق اسم المرجئة علی الجماعة بالمعنی الأول فصحیح لأنهم کانوا یؤخرون العمل عن النیة والإعتقاد. وأما بالمعنی الثاني فظاهر، فإنهم کانوا یقولون: لا یضر مع الإیمان معصیة، کما لا ینفع مع الکفر طاعة[3]

"إرجاء کے دو معنی ہیں: پہلے معنی ہیں تاخیر (مؤخر کرنے) کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَالُوْا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ﴾[4] یعنی فرعون کے درباریوں نے کہا: موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور ان کے معاملہ کو ملتوی کر۔"

یہاں إرجاء کے معنی ہیں 'أمهله' اسے مہلت دے اور 'أخره' اسے مؤخر کر۔

(إرجاء کے) دوسرے معنی ہیں: "اُمید دلانا"... رہا اس فرقہ پر 'المرجئۃ' کے نام کا اطلاق تو پہلے معنیٰ کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ عمل کو نیت اور اعتقاد سے

---

۱ السلسلۃ الصحیحۃ از البانی: ۴/۳۶۹، موسوعۃ الالبانی: ۴/۹۹

۲ الشعراء: ۳۶

۳ الملل والنحل از شہرستانی: ۱/۱۸۶

۴ سورۃ الاعراف: ۱۱۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤخر کرتے تھے۔ رہا دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے (اس فرقہ کی وجہ تسمیہ) تو یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ یہ لوگ (خصوصاً جہمیہ) کہتے تھے کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان نہیں پہنچاتی جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی مفید نہیں۔"

② حافظ ابن حجر عسقلانی راقم ہیں:

والمرجئة نُسبوا إلىٰ الأرجاء وهو التاخير لأنهم أخَّروا الأعمال عن الإيمان فقالوا: الإيمان هو التصديق بالقلب فقط، ولم يشترط جمهورهم النطق، وجعلوا للعصاة اسم الإيمان علىٰ الكمال وقالوا: لا يضر مع الإيمان ذنب أصلًا[1]

"إرجاء (کے معنی) مؤخر کرنا ہے اور مرجئہ کی نسبت 'ارجا' کی طرف کی گئی ہے کیونکہ یہ لوگ اعمال کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں (یعنی اعمال کو ایمان کا جز قرار نہیں دیتے) اُنہوں نے کہا کہ ایمان صرف دل سے تصدیق (کا نام) ہے اور ان کے جمہور نے تو (ایمان کے لیے) زبان سے اقرار کو بھی شرط قرار نہیں دیا اور اُنہوں نے گنہگاروں کو مؤمن کامل قرار دیا ہے اور یہ (خصوصاً جہمیہ) کہتے ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔"

③ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبد اللہ فرماتے ہیں:

سئل أبي عن الإرجاء فقال: إيمان قول وعمل ويزيد و ينقص إذا زنى و شرب الخمر نقص إيمانُه[2]

"میرے باپ (امام احمد) سے إرجاء کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ایمان قول و عمل ہے اور کم و زیادہ ہوتا ہے جب (کوئی مؤمن) زنا کرے، شراب پی لے تو اس کا ایمان کم ہو جاتا ہے۔"

④ ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں زبید فرماتے ہیں:

سألتُ أبا وائل عن المرجئة میں نے ابو وائل سے مُرجئہ کے بارے میں

---

۱ فتح الباری: ۱/۱۴۷

۲ السنۃ از ابن احمد: ۸۱، دوسرا نسخہ: ۱/۳۰۷، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۲/۵۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال کیا، تو اُنہوں نے کہا کہ عبداللہ (ابن مسعودؓ) نے مجھے حدیث بیان کی۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر[1]

"مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اُس سے قتال کفر ہے۔"

امام احمد سے إرجاء اور ابووائل سے مرجئہ کے بارے میں سوال ہوا، تو ان دونوں کے جواب سے یہ بات واضح ہے کہ عمل ایمان کا حصہ ہے اور اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ گناہ سے ایمان میں نقص واقع ہوتا ہے اور یہ ایمان کو نقصان پہنچاتا ہے جبکہ مرجئہ کا کوئی بھی گروہ اس کا قائل نہیں اور یہ إرجاء ہے۔

⑤ صالح بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

أنه سأل أباه عن من لا يرى الإيمان قول وعمل قال: هؤلاء المرجئة[2]

"بلاشبہ اُنہوں نے اپنے باپ سے ایسے لوگوں کے بارے میں سوال کیا جن کے نزدیک ایمان قول و عمل نہیں ہے تو اُنہوں نے فرمایا کہ یہ مرجئہ ہیں۔"

وسئل أبوعبد الله وأنا أسمع عن الإرجاء ما هو؟ قال من قال: الإيمان قول فهو مرجئ. والسنة أن تقول الإيمان قول وعمل، يزيد وينقص[3]

"(راوی ابو الحارث کہتے ہیں) میں سن رہا تھا کہ ابو عبداللہ (امام احمد) سے سوال کیا گیا کہ ارجا کیا ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ جس نے کہا کہ ایمان قول ہے پس وہ مرجئہ ہے۔ (سلف کا) طریقہ یہ ہے کہ تو کہے کہ ایمان قول و عمل ہے، کم اور زیادہ ہوتا ہے۔"

⑥ امام وکیع فرماتے ہیں:

أهل السنة يقولون: الإيمان قول وعمل والمرجئة يقولون: الإيمان قول والجهمية يقولون: الإيمان معرفة[4]

"اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل ہے اور مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان قول ہے

---

۱ صحیح البخاری: ۴۸

۲ السنۃ از خلال: ۵۶۶/۲

۳ السنۃ از خلال: ۵۶۶/۲، رقم: ۹۶۴

۴ الشریعہ از آجری صفحہ ۱۳۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جہمیہ کہتے ہیں کہ ایمان معرفت ہیں۔"

⑦ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

خالفنا المرجئة في ثلاث. نحن نقول الإيمان قول وعمل وهم يقولون: الإيمان قول بلاعمل، ونحن نقول: يزيد وينقص وهم يقولون: لا يزيد ولا ينقص، ونحن نقول:نحن مؤمنون بالإقرار وهم يقولون: نحن مؤمنون عند الله[1]

"مرجئہ نے تین چیزوں میں ہماری مخالفت کی ہے، ہم کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل ہے جبکہ مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان قول ہے عمل کے بغیر،اور ہم کہتے ہیں کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے جبکہ وہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ، اور ہم کہتے ہیں کہ ہم اقرار کے ساتھ مؤمن ہیں جبکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہاں مؤمن ہیں۔"

خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ سلف کے نزدیک عمل ایمان کا جز اور اس میں شامل ہے، لیکن مرجئہ کے نزدیک عمل ایمان کا جزاور اس میں شامل نہیں ہے۔ سلف کے نزدیک ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے جبکہ مرجئہ کے نزدیک ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا۔ اہل السنہ والجماعہ اور مرجئہ کے درمیان پائے جانے والے اس اختلاف کو بڑے واضح الفاظ میں شیخ البانی بیان فرماتے ہیں:

الخلاف جذري بين أهل السنة حقًا و بين المرجئة حقًا من ناحيتين اثنتين: أن أهل السنة يعتقدون أن الأعمال الصالحة من الإيمان وأما المرجئة فلا يعتقدون ذلك ويصرحون بأن الإيمان هو إقرار باللسان وتصديق بالجنان وهو القلب، أما الأعمال الصالحة فليست من الإيمان وبذلك يردون نصوصًا كثيرة لا حاجة بنا إلىٰ ذكر شيء منها علىٰ الأقل إلا إذا اضطرنا.

هٰذا هي النقطة الأولىٰ التي يخالف المرجئة فيها أهل السنة حقًا، النقطة الثانية وهي تتفرع من النقطة الأولىٰ وهي: أن أهل السنة يقولون:الإيمان يزيد وينقص، زيادته بالطاعة، ونقصانه بالمعصية،

1 شرح السنۃ از بغوی: ۱/ ۸۰، حلیۃ الاولیاء: ۷/ ۲۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والمرجئة ينكرون هذه الحقيقة الشرعية ويقولون:بأن الإيمان لا يزيد ولا ينقص[1]

”خالص اہل السنہ اور خالص مرجئہ کے مابین بنیادی اختلاف دو اعتبار سے ہے: بلاشبہ اہل سنت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بے شک نیک اعمال ایمان میں سے ہیں، اور رہے مرجئہ تو وہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے اور صراحتاً یہ کہتے ہیں کہ ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق ہی ہے۔ رہے اعمالِ صالحہ تو وہ ایمان میں سے نہیں ہیں اور اس بنا پر وہ بہت زیادہ نصوص کو بھی ردّ کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ پہلا نکتہ جس میں مرجئہ نے خالص اہل السنہ کی مخالفت کی ہے۔

اور دوسرا نکتہ جو کہ پہلے نکتے سے ہی نکلتا ہے، یہ ہے کہ بلاشبہ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے، اس کا زیادہ ہونا نیکی کے سبب سے ہے اور کم ہونا معصیت کی وجہ سے ہے، اور مرجئہ اس شرعی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم۔“ [جاری ہے]

'پنجاب قرآن بورڈ' کی تشکیل

قرآنِ کریم کی نشرواشاعت اور اس کے پیغام کو پھیلانے کے لئے پنجاب حکومت کے قائم کردہ 'پنجاب قرآن بورڈ' میں ڈاکٹر حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ مدیر ماہنامہ 'محدث' لاہور کو صوبائی وزارتِ مذہبی اُمور کی طرف سے اگلے تین سال کے لئے بطورِ رکن نامزد کیا گیا ہے۔ حکومتِ پنجاب نے قرآن کریم کی نشرواشاعت کے حوالے سے اگست ۲۰۱۱ء میں ایک قانون پنجاب اسمبلی سے منظور کیا اور پنجاب قرآن بورڈ کیلئے ڈیڑھ ارب روپے کی لاگت سے عظیم الشان عمارت بھی اَپر مال روڈ لاہور پر تعمیر ہو چکی ہے جس میں قرآن لائبریری، قرآن ریسرچ سنٹر اور قرآن محل وغیرہ جیسے منصوبے پورے کئے جائیں گے۔ ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ پنجاب قرآن بورڈ کے دیگر اراکین اور محترم مدیر محدث کو زیادہ سے زیادہ خدمتِ قرآن کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ [اراکین مجلس التحقیق الاسلامی و مجلّہ 'محدث']

1 موسوعۃ الألبانی: ۴/۱۵۳،۱۵۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الحدیث مفتی عبید اللہ عفیف

رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں وراثت کا مسئلہ؟

اہل بیت النبی ﷺ کا نفقہ، سیدہ فاطمہؓ کی رضامندی، وراثت جاری نہ ہونے کی حکمتیں

احادیثِ کثیرہ، مشہورہ، صحیحہ، مرفوعہ کے مطابق اہل السنۃ والجماعۃ کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے۔ چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیے:

① عن عائشة رضی الله عنها أن فاطمة والعباس أتيا أبابكر يلتمسان ميراثهما من رسول الله ﷺ وهما يومئذ يطلبان أرضيهما من فدك وسهمه من خيبر فقال لهما أبوبكر سمعت رسول الله ﷺ يقول: «لا نورث ما تركنا صدقة، إنما يأكل آل محمد من هذا المال» قال أبوبكر: والله لا أدع أمرا رأيت رسول الله ﷺ يصنعه إلا صنعتُه. قال: فهجرته فاطمة فلم تكلمه في ذلك حتي ماتت[1]

''اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں (رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ ﷺ کا ترکہ مانگتے تھے۔ یعنی جو زمین آپؐ کی فدک میں تھی اور جو حصہ خیبر کی اراضی میں تھا، وہ طلب کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ البتہ بات یہ ہے کہ محمد ﷺ کی آل اس مال سے کھاتی پیتی رہے گی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] صحيح البخاري، باب قول النبي ﷺ لا نورث ما تركنا صدقة:٢/٩٩٥، صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب حكم الفيء: ٢/ ٩٢،٩٣، نيل الأوطار: ٦/٢

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی فرمایا: اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو جو کام کرتے دیکھا، میں اسے ضرور کروں گا، اُسے کبھی چھوڑنے کا نہیں۔ اس جواب کے بعد حضرت فاطمہؓ نے ملاقات میں انقباض سے کام لیا اور چھ ماہ کے بعد وفات پا گئیں۔"

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

"حضرت فاطمہؓ کی یہ ناراضگی بہ تقاضائے صاحبزادگی تھی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا، کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان «ما ترکنا صدقة» کے سامنے بے بس تھے، مزید بحث آگے آ رہی ہے۔

② عن أبي بكر الصديق عن النبي ﷺ قال: «لا نورث ما تركناه صدقة»[1]

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

③ وعن عمر أنه قال لعثمان وعبد الرحمٰن بن عوف والزبير وسعد وعلي والعباس: أنشدكم الله الذي بإذنه تقوم السماء والأرض أتعلمون أن رسول الله ﷺ قال: «لانورث ماتركناه صدقة» قالوا: نعم[2]

"حضرت عمر فاروق نے حضرت عثمان، عبد الرحمٰن بن عوف، زبیر، سعد، علی اور عباس رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میں آپ سب کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم کے ساتھ آسمان اور زمین اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو مال چھوڑ جائیں، وہ صدقہ یعنی بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے تو ان سب نے ہاں میں جواب دیا۔"

④ وعن عائشة رضی الله عنها أن أزواج النبی ﷺ حين توفي رسول الله ﷺ أردن أن يبعثن عثمان إلى أبي بكر يسئلنه ميراثهن، فقالت عائشة أليس قد قال رسول الله ﷺ: «لانورث ماتركنا صدقة»[3]

١ متفق علیہ و نیل الاوطار: ٧٦/٢

٢ ایضاً: ٧٦/٦

٣ صحیح البخاری: ٩٩٦/٢ ؛ صحیح مسلم: ٩١/٢؛ نیل الاوطار: ٧٦/٦

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو آپ ﷺ کی بیویوں نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں اور اپنے ورثہ کا مطالبہ کریں تو اس وقت میں (عائشہؓ) نے اُن کو کہا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں۔ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔"

⑤ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «لا تقتسم ورثتي دينارًا ما تركت بعد نفقة نسائي ومؤنة عاملي فهو صدقة»[1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے وارث اگر میں ایک اشرفی چھوڑ جاؤں تو اس کو تقسیم نہیں کرسکتے بلکہ جو جائیداد میں چھوڑ جاؤں اس میں سے میری بیویوں اور عملہ کا خرچ نکال کر جو بچے، وہ سب اللہ کی راہ میں خیرات کیا جائے۔"

⑥ وعن أبي هريرة أن فاطمة رضی الله عنها قالت لأبي بكر من يرثك إذا متَّ؟ ولدی وأهلی قالت: فما لنا لا نرث النبی ﷺ قال: سمعت النبی ﷺ يقول: «إن النبی لا يورث» ولكن أعول من كان رسول الله ﷺ يعول و أنفق علىٰ من كان رسول الله ﷺ ينفق[2]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خواتین جنت کی سردار سیدہ فاطمہؓ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جب آپ وفات پائیں گے تو آپ کا وارث کون ہوگا؟ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میری اولاد اور میری بیوی میری وارث ہوگی۔ تو اس جواب پر سیدہ فاطمہؓ نے فرمایا: پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے وارث کیوں نہیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا، لیکن میں (ابو بکر) ہر اس شخص کی کفالت کروں گا جس کی رسول اللہ ﷺ کفالت

1 صحیح بخاری: ۲/ ۹۹۶؛ صحیح مسلم: ۲/ ۹۲
2 رواہ احمد والترمذی وصححہ؛ نیل الاوطار: ۶/ ۷۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے رہے اور اس شخص پر خرچ کرتا رہوں گا جس پر رسول اللہ ﷺ خرچ فرماتے رہے۔"

اعتراض: ما ترکنا صدقةٌ کی تاویل کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل لا یورث ما ترکنا صدقةٌ ہے جس میں صدقةً منصوب ہے جو ترکیب جملہ میں حال واقع ہوا ہے۔ والتقدیر لا یورث الذي ترکناہ حال کونہ صدقةً "ہمارے ترکہ میں قانون وراثت جاری نہیں ہوا، درآنحالے کہ وہ صدقہ ہو۔"

جواب: یہ تاویل باطل ہے کیونکہ سلف اور خلف محدثین نے تسلسل وتوارد کے ساتھ صدقةٌ کو مرفوع روایت کیا ہے۔ یعنی ما ترکنا محل رفع میں مبتدا اور صدقةٌ اس کی خبر ہے لہٰذا صدقةً کو صدقةً منصوب پڑھنا باطل ہے، جیسا کہ امام شوکانی تصریح فرماتے ہیں:

لا نورث بالنون وهو الذی توارد علیه أهل الحدیث في القدیم والحدیث کما قال الحافظ في الفتح وما ترکنا موضع الرفع بالإبتداء و صدقةٌ خبره[1]

مزید برآں حدیث نمبر ۵ (روایت ابی ہریرہؓ) کے الفاظ «ما ترکت بعد نفقة نسائي ومؤنة عاملي فهو صدقة» اور اسی حدیث میں «لا تقتسم ورثتي» اور حدیث نمبر ۶ میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ «أن النبی لا یورث» کے الفاظ اس تاویل کے غلط ہونے پر شاہدِ عدل ہیں۔ نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہؓ کے موقف کے خلاف ان الفاظ «ما ترکنا صدقةٌ» کو بطورِ دلیل پیش فرمانا اور پھر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا خاموش ہو جانا بھی اس تاویل کے بطلان پر قوی برہان ہے۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ دونوں أفصح الفصحاء وأعلمهم بدلالة الألفاظ تھے۔ یعنی وہ دونوں لغتِ عربی کے ماہر اور عربی الفاظ کے معانی اور ان کی نزاکتوں کے شناور تھے۔ اگر حدیث ما ترکنا صدقة کی عبارت اس طرح ہوتی جس طرح معترض کا کہنا ہے تو پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اس سے دلیل پکڑنا صحیح نہ ہوتا اور نہ اُن کا یہ جواب سوال کے مطابق

[1] نیل الاوطار: ۶/۷۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا اور نہ سیدہ فاطمہؓ ان کے اس غلط جواب پر سکوت اختیار فرماتیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلب صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں وراثتِ مالی جاری نہیں ہوتی لہٰذا بطورِ میراثِ مالی آپ کا ترکہ اہل بیت کو منتقل نہیں ہو سکتا۔ رہی کفالت تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستور کے مطابق حسبِ سابق بحیثیت خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میری اوّلین ترجیح اور اہم ترین ذمہ داری ہے جیسا کہ پہلی حدیث (روایت عائشہؓ) میں ہے: إنما يأكل آل محمد من هذا المال قال أبوبكر: لا أدع أمرًا رأيت رسول الله ﷺ يصنعه إلا صنعتهُ[1]

اس عبارت میں یہ اوّلین ترجیح اور اہم ترین ذمہ داری صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مزید احادیث پڑھیے:

⑦ عن عروة عن عائشة أن فاطمة والعباس أتيا أبابكر يلتمسان ميراثهما أرضه من فدك وسهمه من خيبر فقال أبوبكر سمعتُ النبي ﷺ يقول: «لا نورث ما تركنا صدقة» إنما يأكل آل محمد ﷺ في هذا المال والله لقرابة رسول الله ﷺ أحب إلي أن أصل من قرابتي[2]

"حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اور عباس رضی اللہ عنہ (دادا، پوتی) نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطورِ میراث فدک کی اراضی کی آمدنی اور خیبر کے خمس (دونوں میں اپنے مالی حقوق) کا مطالبہ کیا۔ (جواب میں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہم انبیا علیہم السلام کی وراثت (مالی) جاری نہیں ہوتی۔ جو کچھ چھوڑ کر ہم رخصت ہوتے ہیں، وہ (اللہ کی راہ میں وقف اور) صدقہ ہوتا ہے۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل مالی کفالت کے بارے میں فرمایا کہ مذکورہ بالا اموال میں سے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً کھاتی پیتی رہے گی۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے ساتھ

۱ صحیح بخاری: ۹۹۵/۲
۲ صحیح بخاری: ۵۷۶/۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلہ رحمی مجھے اپنے قرابت داروں کی صلہ رحمی سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔"

⑧ اس ترجیح پر مکمل عمل کا ثبوت یہ حدیث ہے:

عن عبدالرحمان بن أبي ليلى قال سمعت عليًّا يقول اجتمعت أنا والعباس وفاطمة و زيد بن حارثة عند النبي ﷺ فقلت: يا رسول الله ﷺ! إن رأيت إن تولّيني حقنا من هٰذا الخمس في كتاب الله عزوجل فاقسمه حياتك كيلا ينازعني أحد بعدك فافعل قال: ففعل ذلك قال: فقسمته حياة رسول الله ﷺ ثم ولانيه أبوبكر حتى إذا كانت آخر سنة من سني عمر فإنه أتاه مال كثير فعزل حقنا ثم أرسل إلي فقلت بنا عنه العام غنًا وبالمسلمين إليه حاجة فارددہ عليهم فردّه عليهم[1]

"عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے عباس، فاطمہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم قرابتِ داران نبی ﷺ کا جو حصہ مالِ خمس میں بنتا ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کی تقسیم کی ذمہ داری اپنی زندگی میں مجھے سونپ دیں تو بہتر ہو گا تاکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی شخص ہمارے ساتھ اس معاملہ میں جھگڑا نہ کر سکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مجھے اس کام کا متولی بنا دیا۔ آپ کے عہد میں، میں اس خمس کے حصہ کو (بنوہاشم میں) تقسیم کرتا رہا۔ بعد ازاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس عہدہ پر قائم رکھا حتیٰ کہ جب فاروقی خلافت کے آخری سال ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مالِ غنیمت آیا۔ پس اُنہوں نے ہمارا حق خمس علیحدہ کر کے میرے پاس بھیجا (اور فرمایا کہ حسبِ سابق اس مال کی تقسیم کر دو) تو میں نے جواب میں کہا کہ اے امیر المؤمنین! ہم لوگوں (بنوہاشم) کی اب معاشی حالت مستحکم ہے، دوسرے لوگ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ہمارا یہ حصہ) محتاج مسلمانوں کے لیے بیت المال میں جمع کر دیا۔"

---

1 سنن أبي داؤد، كتاب الخراج: باب مواضع قسم الخمس وسهم ذي القربٰى: ۲/ ۶۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت خلیفۃ الرسول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی اس ترجیح پر اس طرح عمل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ دستور کے مطابق مالِ خمس وغیرہ کی آمدنی کا وہ حصہ جو آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا تھا اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں دے دیا اور پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اسی دستور پر عمل کیا اور نہ صرف حضرت خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسی دستور پر عمل رہا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی اولاد پشتوں تک اس کی متولی اور نگران بنتی چلی گئی جیسا کہ صحیح بخاری میں اوس بن حدثان کی طویل حدیث کے آخر میں ہے:

فكانت هذه الصدقة بيد علي منعها علي عباسا فغلبه عليها ثم كان بيد حسن بن علي ثم بيد حسين بن علي ثم بيد علي بن حسين وحسن بن حسن كلاهما كانا يتداولانها ثم بيد زيد بن حسن وهي صدقة رسول الله ﷺ حقًا[1]

"مدینہ کے اَموال بنی نضیر وغیرہ میں ہاشم و آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ جناب علیؓ کے دستِ تصرف میں تھا۔ اختلافِ رائے کی بنا پر حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کو اس مال کی نگرانی سے روک دیا۔ پھر یہ مال حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت حسن بن علیؓ کی تولیت میں تھا پھر حضرت حسین بن علیؓ کے ہاتھ میں تھا بعد ازاں حضرت زین العابدینؒ اور حسن بن حسنؒ کی تولیت میں تھا وہ دونوں باری باری اس کے نگران ہوتے تھے پھر ان دونوں کے بعد زید بن حسن کے ہاتھ میں تھا۔ یقیناً یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھا۔"

ان احادیثِ صحیحہ سے یہ حقیقتِ واقعیہ اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوارِ خلافت میں بنو ہاشم اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ خمس وغیرہ سے ان کا حصہ پورا پورا ملتا تھا، اُن کا حق کسی نے دبایا اور نہ غصب کیا۔ ضائع کیا اور نہ خورد برد کیا۔

1 صحیح بخاری: ۲/ ۵۷۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِن احادیث کا ماحصل

① رسول اللہ ﷺ کی آلِ کریم اور قرابت داروں کا جو حق مالِ خمس اور مالِ فے میں تھا، وہ ان کو کماحقہ باقاعدہ ملتا رہا۔ تاہم ان اموال کی ملکیت بطورِ وراثت ان کو نبی کریم ﷺ کے فرمان کی بنا پر منتقل نہ ہوئی۔

② اس حصہ کے متولی اور متصرف خود حضرت علیؓ تھے۔ ان کے بعد اس حصہ کی نگرانی ان کی پشتوں میں منتقل ہوتی رہی۔

③ آلِ رسول ﷺ اور بنوہاشم کی حق تلفی کی داستانیں بالکل خانہ ساز اور جعلی ہیں۔

فیصلہ صدیقی رضی اللہ عنہ کے حق میں شیعی شہادتیں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آلِ رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ فیصلہ اس قدر حق اور صواب تھا کہ سنی عُلما کی شہادتیں تو درکنار خود شیعہ اہل علم اپنے ائمہ اہل بیت کے حوالہ سے اس فیصلہ کو مبنی برحق وصواب تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں، جیسا کہ شیعہ علما لکھتے ہیں:

امام باقر کی شہادت: علامہ ابو حامد عبد الحمید المعروف ابن ابی الحدید شیعی (متوفی ۶۵۶ھ) بہ اسنادِ جناب محمد باقر (امام پنجم شیعہ) سے روایت کرتے ہیں:

عن كثير النواء قال قلت لأبي جعفر محمد بن علي جعلني الله فداك أرأيت أبابكر وعمر هل ظلماكم من حقكم شيئًا أو قال ذهبًا من حقكم بشيء فقال: لا والذي أنزل القرآن علىٰ عبده ليكون للعالمين نذيرًا، ما ظلمنا من حقنا مثقال حبة من خردل. قلت جعلت فداك، أفأتولاهما قال نعم: ويحك تولاهما في الدنيا والآخرة وما أصابك ففي عنقي، ثم قال: فعل الله بالمغيرة وتبيان، فإنهما كذبا علينا أهل البيت[1]

"کثیر النوا کہتے ہیں، میں نے جناب محمد باقر سے پوچھا کہ کیا ابو بکرؓ اور عمرؓ نے تمہاری کوئی حق تلفی کی ہے تو اُنہوں نے میرے جواب میں فرمایا: قرآن نازل کرنے والے

1 شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید: ۴/ ۱۱۳، الفصل الاول بحث فدک؛ و رحماء بینھم: ۱/ ۱۰۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ربّ تعالیٰ کی قسم! ان دونوں نے رائی کے دانے برابر بھی ہماری حق تلفی نہیں کی تو پھر میں نے پوچھا کہ کیا میں ان دونوں سے دوستی رکھوں تو انہوں نے فرمایا: دنیا اور آخرت دونوں میں ان کی دوستی کا دم بھرو۔ اگر ان کی دوستی پر تجھ سے کچھ مؤاخذہ ہوا تو اس کی ذمہ داری میری گردن پر ہے۔ اللہ مغیرہ اور تبیان کو غارت کرے، وہ آل نبی پر ظلم و ستم کے جھوٹے قصے اور داستانیں گھڑتے رہتے ہیں۔"

امام زید بن زین العابدینؒ کی شہادت: فرماتے ہیں:

وأيم الله لو رَجع الأمر إلىٰ لقضيتُ فيه بقضاء أبي بكر[1]

"یعنی امام زید شہید فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر فدک کی تقسیم کا مقدمہ میری طرف لوٹ کر آتا تو میں بھی اس کا وہی فیصلہ کرتا جو ابو بکر صدیقؓ نے فیصلہ[2] کیا تھا۔" یعنی امام کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فیصلہ بالکل درست اور صحیح تھا۔

حدیثِ ابو بکرؓ اور علماے شیعہ

جناب محمد باقر اور جناب زید جیسے کبار ائمہ شیعہ نے خلیفہ رسول ﷺ بلا فصل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو صائب اور مبنی بر حق فیصلہ اس لیے قرار دیا ہے کہ یہ متواتر حدیث «ومَا تركنا صدقة» خود ان ائمہ کرام کے علم و تحقیق کے مطابق زیر بحث قضیہ میں ایسی نصِ قطعی اور برہانِ جلی ہے کہ اس کا انکار ان بزرگوں کے نزدیک مکابرہ (مدافعة الحق بعد العلم به) اور پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی کے مترادف تھا۔ اور یہ متواتر حدیث نہ صرف ان ائمہ کرام کے علم میں تھی بلکہ یہ اہل علم کے ہاں اس قدر متداول ہے کہ اکابر شیعی محدثین بھی اسکو اپنی صحاح اور دوسری کتبِ معتبرہ میں روایت کرتے چلے آرہے ہیں:

① چنانچہ چوتھی صدی کے مشہور شیعی محدث محمد بن یعقوب کلینی رازی (م۳۲۹ھ) اپنی کتاب اُصولِ کافی میں بروایت ابو البختری امام ابو عبد اللہ جعفر صادق سے حسبِ ذیل الفاظ میں روایت کرتے ہیں:

---

۱ شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید: ۴/۱۱۳

۲ یہ فیصلہ السنن الکبریٰ از بیہقی ۲/۳۰۲ باب بیان مصرف أربعة أخماس الفيء میں بھی موجود ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عن أبي عبد الله قال إن العلماء ورثة الأنبياء وذٰلك أن الأنبياء لم يورثوا درهمًا ولا دينارًا وإنما ورثوا أحاديث من أحاديثهم فمن أخذ بشيء منها أخذ بحظ وافر[1]

"حضرت جعفر صادق نے فرمایا: ہر گاہ علما انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت درہم و دینار کی صورت میں نہیں ہوتی۔ وہ اپنی حدیثیں وراثت میں چھوڑتے ہیں جو اُنہیں لے لیتا ہے، اُس نے پورا حصہ پالیا یعنی جو اِن احادیث کو حاصل کرلے، وہی وراثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حامل اور وارث ہوتا ہے۔"

④ علامہ ابو منصور احمد بن علی طبرسی، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حسبِ ذیل حدیث بلا کسی ردّ وقدح کے یوں روایت کرتے ہیں:

إني أشهد الله وكفى به شهيدًا أني سمعت رسول الله ﷺ يقول: «نحن معاشر الأنبياء لا نورث ذهبًا ولا فضة ولا دارًا ولا عقارًا وإنما نورث الكتاب والحكمة والعلم والنبوة وما كان لنا من طعمة فلولي الأمر بعدنا أن يحكم فيه بحكمه»[2]

"حضرت فاطمہ الزہراؓ کے مطالبۂ وراثتِ مالی کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ ہر گاہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے ہیں: ہم انبیاء کی جماعت اپنے بعد کسی کو سونے، چاندی، گھر اور اراضی کا وارث نہیں بناتے۔ ہم صرف کتاب و حکمت، علم اور نبوت سے متعلق اُمور کا وارث بناتے ہیں، رہے ہمارے ذرائع معاش تو وہ ہمارے بعد ہونے والے خلیفہ کی سپرداری میں چلے جاتے ہیں، وہ ان میں اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔"

⑤ حدیث «مَا تركنَا صَدقة» کی صحت اتنی عالم آشکارا ہے کہ شیخ ابوریہ محمود اور سید محمد باقر موسوی خراسانی جیسے کٹر شیعہ عالم بھی اس کو صحیح تسلیم[3] کرتے ہیں۔

---

۱ اُصول کافی: ۱/ ۳۲

۲ احتجاج الطبرسی: ۱/ ۱۰۴

۳ ایضاً: ج ۱/ ص ۱۰۴ و ۱۰۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ تیسری صدی کے مشہور شیعی محدث فرات بن ابراہیم ابن الفرات الکوفی اپنی تفسیر 'الفرات' میں روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ما أرث منك يارسول الله ﷺ! یارسول اللہ! میں آپ ﷺ کی وراثت میں کیا پاؤں گا؟ تو آپ ﷺ نے میرے جواب میں فرمایا:

فقال: «مَا ورِث الأنبياء من قبلي...»

"جو کچھ مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اپنی وراثت میں دیتے رہے ہیں، وہی آپ بھی حاصل کریں گے۔"

حضرت علیؓ نے پھر سوال کیا: ما ورثت الأنبياء من قبلك؟

"آپ ﷺ سے پہلے کے انبیائے کرام اپنی وراثت میں کیا چھوڑتے رہے؟"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كتاب ربهم وسنة نبيهم "اپنے ربّ کی کتاب اور نبی کی سنت"[1]

کیا سیدہ فاطمہؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض فوت ہوئیں؟

پہلے ہم علماء اہل سنت کی شہرہ آفاق کتاب البدایہ والنہایۃ اور دیگر کتبِ اہل سنت کی روایات پیش کریں گے پھر شیعہ علماء کی کتبِ معتبرہ کی روایات حوالہ قرطاس ہوں گی:

① حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) تصریح فرماتے ہیں:

فلما مرضت جاءها الصديق فدخل عليها فجعل يترضاها فرضِيت[2]

"جب فاطمہؓ بیمار پڑ گئیں تو حضرت ابو بکرؓ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو راضی کرنے لگے حتیٰ کہ حضرت فاطمہؓ ان سے راضی ہو گئیں۔"

② امام محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰، ۲۳۵ھ) کی تصریح:

أخبرنا عبد الله بن عمر حدثنا إسماعيل عن عامر الشعبي قال جاء

---

۱ کتاب تفسیر فرات: ص ۸۲ بحوالہ تحفۃ الشیعہ

۲ البدایۃ والنہایۃ: ۶/ ۳۳۰... نیز دیکھئے العواصم من القواصم: ص ۳۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أبوبكر إلىٰ فاطمة حين مرضت فاستأذن. فقال علي: هٰذا أبوبكر على الباب فإن شئتِ أن تأذن له. قالت وذلك أحب إليك، قال نعم فدخل عليها واعتذر إليها وكلّمها فرضيتْ عنه[1]

”حضرت عامر شعبیؒ کہتے ہیں جب حضرت فاطمہ زہراؓ بیمار پڑ گئیں تو حضرت ابو بکرؓ ان کے پاس تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب فرمائیں تو حضرت علیؓ نے کہا: اے فاطمہؓ! ابو بکرؓ اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں (اگر اجازت ہو) تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: اگر آپ کو ان کے اندر آنے پر اعتراض نہ ہو تو تشریف لے آئیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تب ابو بکر صدیقؓ اندر آگئے اور معذرت کرتے ہوئے ان کو راضی کرنے لگے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کی معذرت کو پذیرائی بخشتے ہوئے صلح کر لی اور ان سے راضی ہو گئیں۔“

④ امام بیہقی کی تصریح:

عن الشعبي قال لما مرضت فاطمة أتاها أبوبكر الصديق فاستأذن عليها فقال علي: يا فاطمة! هٰذا أبوبكر يستأذن عليك فقالت أتحب أن أذن له قال نعم فأذنت له فدخل عليها يترضاها وقال والله ماتركت الدار والمال والأهل والعشيرة إلا ابتغاء مرضاة الله ومرضاة رسوله ومرضاتكم أهل البيت ثم ترضاها حتى رضيت. هٰذا مرسل حسن بإسناد صحيح[2]

”جب حضرت فاطمۃ الزہراءؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کی تیمارداری کے لیے تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ ابو بکر صدیقؓ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ اگر ان کا آنا آپ کو پسند ہے تو ٹھیک، حضرت علیؓ نے فرمایا: ان کا اندر آنا مجھے گوارا ہے۔ اجازت ہوئی، ابو بکر صدیقؓ اندر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ کی رضا

۱ طبقات ابن سعد: ۸/۱۷، تذکرہ فاطمہ؛ ورحماء بینھم: ۱/۱۴۷؛ ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۱/۱۱۵

۲ السنن الکبریٰ للبیہقی مع الجوہر النقی: ۶/۳۰۱؛ فتح الباری: ۶/۱۵۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مندی حاصل کرنے کی خاطر گفتگو شروع کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کی خاطر اور آپ (اہل بیت) کی خوشنودی کے لیے ہم نے گھر بار مال و دولت، خویش و اقربا کو چھوڑا۔ اس طرح کی گفتگو کا سلسلہ شروع رکھا حتیٰ کہ سیدہ فاطمہؓ ابو بکر صدیقؓ سے راضی ہو گئیں۔"

④ امام اوزاعی کی تصریح:

عن الأوزاعي قال: فخرج أبوبكر حتى قام علىٰ بابها في يوم حار ثم قال لا أبرح مكاني حتى ترضى عني بنت رسول الله ﷺ فدخل عليها علي فأقسم عليها لترضى فرضيت[1]

"امام اوزاعی سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک گرم دن میں حضرت فاطمہؓ کے دروازہ پر پہنچے اور فرمایا: جب تک رسول زادی مجھ سے راضی نہ ہوگی یہاں سے ہٹنے کا نہیں۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور ان کو قسم دی کہ آپ ابو بکرؓ سے راضی ہو جائیں تو اس پر حضرت فاطمہؓ راضی ہو گئیں۔"

اگر بالفرض حضرت فاطمہؓ واقعی مطالبہ میراث پورا نہ ہونے پر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ناراض ہو گئی تھیں تو ان چاروں روایات کے مطابق ان کا راضی ہو جانا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

شیعی روایات

① علامہ ابن میثم بحرانی مشہور شیعہ فاضل اور شارح نہج البلاغہ اپنی کتاب میں روایت کرتے ہیں جس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت فاطمہؓ کی باہمی بات چیت منقول ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہیں:

قال إن لك ما لأبيك كان رسول الله ﷺ يأخذ من فدك فوتكم ويقسم الباقي و يحمل منه في سبيل الله ولك علىٰ الله أن أضع بها كما كان يصنع فرضيت بذلك وأخذت العهد عليه[2]

1 أخرجه ابن السمان في الموافقه، رياض النضرة في مناقب العشر المبشرة: ١٥٦/١، ١٥٧ وتحفة اثنا عشرية جواب طعن سيزدهم

2 شرح نہج البلاغہ لابن میثم بحرانی: ٥/١٠٧ ؛ الشیعۃ واہل البیت از حافظ احسان الٰہی ظہیر: ص ٨٥

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" ابو بکر صدیقؓ نے حضرت سیدہ فاطمہؓ سے کہا کہ آپ کے لیے حقوق وہی ہیں جو آپ کے والدِ گرامی کے لیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فدک کی پیداوار سے آپ لوگوں کا خرچ خوراک علیحدہ کر کے باقی ماندہ آمدن کو محتاجوں میں بانٹ دیتے تھے اور کچھ حصہ سے اللہ کی راہ میں سواری اور ہتھیار وغیرہ خریدا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آپ کا مجھ پر حق ہے۔ فدک کے بارے میں وہی کچھ کروں گا جو طریقہ خود رسول اللہ ﷺ اختیار فرماتے تھے۔ پس اس چیز پر وہ ابو بکر صدیقؓ سے راضی ہو گئیں اور اس پر اُنہوں نے ابو بکرؓ سے پختہ وعدہ اور اقرار لے لیا۔"

② مشہور شیعہ عالم اور شارح نہج البلاغہ ابراہیم بن حاجی حسین بن علی انبلی لکھتے ہیں:

وذلك إن لك ما لأبيك كان رسول الله ﷺ يأخذ من فدك قوتكم ويقسم الباقي ويحمل من في سبيل الله ولك علىٰ الله أن أصنع بها كما كانا يصنع فرضيت بذلك وأخذت العهد عليه به[1]

"حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو فدک کے بارے میں مطمئن کرتے ہوئے فرمایا: آپ کے والدِ گرامی کے لیے جو حقوق تھے وہی آپ کے لیے طے شدہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فدک کی پیداوار سے تمہارے اخراجات الگ کر لیتے تھے اور باقی کو حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور اللہ کی راہ میں اس سے سواری وغیرہ خرید لیتے تھے۔ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے مجھ پر آپ کا حق ہے کہ فدک کے متعلق میں وہی طریقہ اپناؤں جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا رکھا تھا۔ اس گفتگو کے بعد حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے خوش اور راضی ہو گئیں۔ اور اس چیز کی پابندی کا حضرت ابو بکرؓ سے پکا اقرار نامہ اور پختہ وعدہ لے لیا۔"

③ شیعہ کی معتبر کتاب حجاج السالکین میں مرقوم ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو نہ صرف راضی کر لیا بلکہ سیدہ فاطمہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے اس صحیح فیصلہ کو بہ اعماقِ قلب تسلیم بھی فرما لیا تھا۔ روایت حسبِ ذیل ہے:

إن أبابكر لما رأى أن فاطمة انقبضت عنه وهجرته ولم تتكلم بعد

[1] کتاب درہ تحفیہ شرح نہج البلاغہ: ص ۳۳۱، ۳۳۲؛ الشیعہ واہل البیت: ص ۷۵؛ ورحماء بینھم: ص ۱۵۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذلك في أمر فدك كَبُرَ ذلك عنده فأراد استرضاءها فأتاها فقال لها: صدقت يا ابنة رسو ل الله ﷺ فيما ادعيت ولكنى رأيت رسول الله ﷺ يقسمها فيعطى الفقراء والمساكين وابن السبيل بعد أن يعطى منها قوتكم والصانعين فقالت: افعل فيها كما كان أبي رسول الله ﷺ يفعل فيها. قال أشهد الله علي أن أفعل فيها ما كان يفعل أبوك فقالت: والله لتفعلن فقال والله لأفعلن فقالت اللهم اشهد اللهم اشهد فرضيت بذلك وأخذت العهد عليه وكان أبوبكر يعطيهم منها قوتهم فيعطى الفقرآء والمسكين[1]

''جب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جناب فاطمہؓ کشیدہ خاطر ہو گئی اور بات کرنا چھوڑ دیا تو یہ بات ابو بکرؓ کو شاق گزری اور جناب فاطمہؓ کو رضا مند کرنے کی غرض سے ان کے پاس تشریف لے گئے اور کہا: آپ نے بلا شبہ سچ کہا، اے رسول زادی! لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپؐ فدک کی پیداوار کو تقسیم کر دیا کرتے تھے، محتاجوں، مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا کرتے تھے۔ جب کہ پہلے آپ اہل البیت کو خرچ دیتے تھے پھر کام کرنے والوں کو بھی اس سے دیتے تھے۔ جناب فاطمہؓ نے کہا آپ بھی ایسا ہی کریں جیسا میرے والد ماجد رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے تو ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ایسا ہی کروں گا جیسے رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ جناب فاطمہؓ نے فرمایا: آپ اللہ کی قسم کھاتے ہو کہ ایسے ہی کرو گے تو ابو بکرؓ نے کہا: اللہ کی قسم ایسا ہی کروں گا۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ پھر حضرت فاطمہؓ نے اُن سے عہد لے لیا۔ ابو بکر صدیقؓ پہلے ان کو خرچ مہیا کرتے اور بعد میں غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔''

[1] آفتابِ ہدایت: ص ۲۵۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترکہ نبوی میں وراثت جاری نہ ہونے کی حکمتیں

نبی ﷺ کے ترکہ میں قانونِ وراثت جاری نہ ہونے میں حسبِ ذیل حکمتیں کارفرما تھیں:

پہلی حکمت

① ﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ﴾[1]

"اللہ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کی چاہتا، گھٹا دیتا ہے۔"

② ﴿ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ﴾[2]

"اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔"

③ ﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾[3]

"یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دے رکھا ہے۔"

④ ﴿ وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ﴾[4]

"اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر رزق میں زیادتی دے رکھی ہے۔"

⑤ ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾[5]

"جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔"

⑥ ﴿ وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾[6]

"تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں۔"

ان چھ آیات اور اس مفہوم کی دوسری بیسیوں آیاتِ مقدسہ کے مطابق اس دنیا میں

---

۱ الرعد:۲۶
۲ سبا:۱۵
۳ النساء:۵۴
۴ النحل:۷۱
۵ النحل:۱۱۴
۶ النحل:۵۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کے پاس جو کچھ ثروت و دولت، مال اور زندگی کا دوسرا ساز و سامان ہے۔ اس کا حقیقی مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، جو خالق کائنات ہے۔ انسان کے پاس یہ مال و متاع محض چند روز کے لیے بطورِ امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و احسان سے رفع حاجات اور روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہ چیزیں مستعار عطا فرما رکھی ہیں جن پر ہمارا کوئی ذاتی استحقاق نہیں۔ لہٰذا اگر انسان کی موت کے بعد اس کا یہ چھوڑا ہوا مال غیر ورثا میں تقسیم کروا دیا جاتا تو بھی ظلم نہ ہوتا۔ جب انسان خود اس مال کا حقیقی مالک نہیں تو اس کے اقارب کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟

مگر بقولِ حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، انسان اپنی جبلت اور کم نظری کی وجہ سے اس مستعار مال کو اپنی ملک سمجھنے لگتا ہے اور موت کے وقت اس مال کو چھوڑنے پر رنجیدہ اور غمگین ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ کریم نے اپنے لطف و کرم اور شفقت و رأفت سے اس کے ترکہ کا وارث اس کے اَقارب کو مقرر فرما دیا تاکہ انسان یہ جان کر مطمئن ہو جائے کہ میری یہ دولت و ثروت اگرچہ میرے ہاتھ سے نکل رہی ہے مگر پھر بھی میرے ہی اقارب کو مل رہی ہے۔

انبیا علیہم السلام کی حقیقت آگاہ نظر پر غفلت کا پردہ نہیں ہوتا۔ ہر چیز کا دنیا میں مستعار ہونا اور مالک و متصرف حقیقی صرف ذاتِ باری تعالیٰ کا ہونا ہر وقت ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ جب انبیا علیہم السلام کی دور بین نگاہیں دنیا کی کسی چیز کا اپنے نفوسِ قدسیہ کو مالک اور مستحق ہی تصور نہیں کرتیں تو اُن کا ترکہ ان کے ورثا کو دلا کر اُنہیں مطمئن کرنے کی کوئی حاجت تھی اور نہ ضرورت۔ انبیا علیہم السلام کو نہ زندگی میں یہ تمنا تھی کہ ہمارے اقارب کا ترکہ ہمیں ملے اور نہ ہی اس دارِ فانی سے فوت ہوتے وقت اپنے مال کے چھوٹنے کا کچھ ملال ہوتا تھا۔ پس انبیا علیہم السلام کے لیے مذکورہ بالا طریق سے تسلی اور اطمینان کی سرے سے کوئی حاجت ہی نہ تھی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری حکمت

① ﴿وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

"میں تمہیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا بلکہ اس کا اجر ربّ العالمین ہی کے ذمہ ہے جو قیامت کو وہ عطا فرمائے گا۔"

② ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾[2]

"آپ کہہ دیجئے میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری[3] کی۔"

ان دونوں آیاتِ کریمہ کی تصریح کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا تبلیغ رسالت کے بارے میں یہ طریقہ رہا کہ وہ بغیر کسی معاوضہ کے احکامِ الٰہیہ کی تبلیغ فرماتے تھے اور اعلان کرتے تھے کہ ہم آپ سے کسی معاوضہ کی تمنا نہیں رکھتے، ہمارا اَجر تو اللہ ربّ العالمین کے ذمے ہے۔ پس اگر نبی اپنے رشتہ داروں کا وارث ہوتا تو یہ اعتراض خارج از مکان نہ تھا کہ اس نے اپنی اُمت سے مال لیا ہے اسی طرح اگر نبی کا ترکہ اِس کے ورثا پر تقسیم ہوتا تو دشمنانِ نبوت یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ نبوت کی آڑ میں اپنے وارثوں کے لیے دولت اکٹھی کر گیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں اعتراضوں کی

---

۱ الشعراء:۱۰۹

۲ الشوریٰ:۲۳

۳ قبائل قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری کا تعلق تھا۔ آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی کوئی اُجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو تمہاری مرضی لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو اور میرے راستے کا روڑہ تو نہ بنو۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کے معنی کیے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابتداری ہے، اس کو قائم رکھو۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ الشوریٰ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے محبت اور اُن کی تعظیم و تکریم جزوِ ایمان ہے۔ لیکن اس آیت کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی اُنہوں نے محدود کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ و فاطمہؓ اور حسنینؓ تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ اُنہیں معصوم اور الٰہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوہ ازیں کفارِ مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطورِ اُجرتِ تبلیغ نہایت عجیب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع سے بہت ہی فروتر ہے۔ پھر یہ آیت اور سورت مکی ہیں جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان ابھی عقدِ زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا یعنی ابھی وہ گھرانہ ہی معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا جس کی خود ساختہ محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔ (تفسیر احسن البیان: ص ۶۳۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیخ ہی کاٹ کر رکھ دی کہ نبی کو نہ کسی سے کچھ لینے کا لالچ اور نہ کسی کو کچھ دینے یا اپنے ورثا کے لیے دولت جمع کرنے کی حرص ہے!! شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حدیث «ماترکنا صدقة» کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

والفرق بين الأنبيآء وغيرهم إن الله تعالىٰ صان الأنبياء عن أن يورثوا الدنيا لئلا يكون ذلك شبهة لمن يقدح في نبوتهم بأنهم طلبوا الدنيا وورثوها لورثتهم[1]

"اگر انبیا علیہم السلام کے ترکہ میں عام قانونِ میراث جاری رکھا جاتا تو دشمنانِ نبوت کو یہ اعتراض کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا کہ اُنہوں نے اپنے اور اپنے وارثوں کے لیے مال ودولت جمع کرنے کے لیے نبوت کو آڑ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے «لا نورث ماترکنا صدقة» کا قانون جاری کروا کر اپنے انبیا علیہم السلام کو اس بھونڈے اعتراض سے ہمیشہ کے لیے بچالیا۔"

تیسری حکمت

انبیا علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کے روحانی باپ ہوتے ہیں۔ نبی کا یہ روحانی رشتہ ہر فرد بشر سے ہوتا ہے۔ ہر کالے گورے اور سرخ وسپید پر برابر کی شفقت ہوتی ہے۔ اس لیے نبی کا ترکہ تمام اُمت پر صدقہ ہوتا ہے جو بلا کسی امتیاز کے آقا و غلام، مرد و زن، بُرے بھلے، صالح وفاسق، قریب و بعید اور ہر خاص و عام تمام مسلمانوں کے مشترکہ مصالح پر صرف کیا جاتا ہے۔ پس اگر نبی کا ترکہ صرف اُس کے اُصول و فروع پر ہی تقسیم کیا جاتا تو اس کے اقربا کے ساتھ تعلق و شفقت کا خاص ظہور ہوتا جو اُمت کے دوسرے افراد سے بے رخی اور ان کی دل شکنی کا مظہر ہوتا جو کہ شفقت عام کے سراسر منافی ہے۔ فافهم ولا تكن من القاصرين

چوتھی حکمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے:

«إن هذا الصدقات إنما هي أوساخ الناس لا تحل لمحمد ولا لآل

---

1 منہاج السنۃ: ۲/۱۵۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد ﷺ[1]

"صدقات لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل ہے جو میرے لیے اور آلِ محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں۔"

اور مذکورہ بالا احادیث میں فرمایا: «ماترکنا فھو صدقة» ان دونوں احادیثِ صحیحہ کو باہم ملانے سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اُن کے ورثا پر حرام ہے کیونکہ وہ صدقہ ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

وفي هذا الحكم سر آخر و هو أنه ﷺ إن أخذها لنفسه وجوز أخذها لخاصته والذين يكون نفعهم بمنزلة نفعه كان مظنة أن يظن الظانون ويقول القائلون في حقه ما ليس بحق[2]

"رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل پر صدقہ کے حرام ہونے میں دوسرا راز یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اپنے مال کو اپنی ذات کے لیے یا اپنے خاص افراد کے لیے جن کا نفع آپ کا اپنا نفع ہے، کے لیے جائز قرار دیتے تو آپ کے خلاف بدگمانی کرنے والوں اور ناحق اعتراض کرنے والوں کو موقع ہاتھ آجاتا کہ یہ نبی دنیا کا کتنا حریص کہ غربا و مساکین کا حق کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔"

پانچویں حکمت

اگر انبیا علیہم السلام کے ترکہ میں عام رائج قانونِ میراث جاری رکھا جاتا تو ممکن تھا کہ بشری تقاضوں اور دنیا کی حرص کی وجہ سے ان کے ورثا اُن کی موت کا انتظار کرنے لگے جاتے جو ان کے حق میں وَبال ثابت ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نبی کے ورثا کی بہتری کے پیشِ نظر ان کو ترکہ سے محروم کرکے دنیا کا عارضی نقصان برداشت کرواکر آخرت کے وبالِ عظیم اور ہمیشہ کی ہلاکت سے بچالیا۔ میرے علم کے مطابق یہ وہ حکمتیں ہیں جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں قانونِ وراثت جاری نہیں فرمایا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[مذکورہ بالا تینوں مباحث مولانا موصوف کے کتابچہ سے ماخوذ اور اُن کا خلاصہ ہیں۔ تلخیص از کامران طاہر]

---

۱ صحیح مسلم: ۱/۳۴۵

۲ حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۴۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حافظ عمران الٰہی

صفر المظفر اور نحوست کا مسئلہ ؟

'حقیقت' خرافات میں کھو گئی!

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ضلالت و جہالت سے مبرا اور دلائل و براہین سے آراستہ ہے، اسلام کے تمام احکام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ اور اس دین مبین میں خرافات وبدعات کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اب کوئی نام نہاد عالم دین، مفتی یا محدث ایسا نہیں جو اس دین مبین اور صاف و شفاف چشمے میں بدعات و خرافات کا زہر ملائے لیکن افسوس ہے کہ شیطان اور اس کے پیروکاروں نے اس دین صافی کو ضلالت و جہالت سے خلط ملط کرنے اور خرافات سے داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

دیگر مہینوں کی طرح ماہِ صفر میں بھی کچھ جاہلانہ رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ صفر کا مہینہ اسلامی مہینوں کی لڑی کا دوسرا موتی ہے۔ اس مہینے کے بارے غلط باتوں کو ختم کرنے کے لیے اسے 'صفر المظفر' کہا جاتا ہے۔

صفر کے متعلق قدیم خیالات

قبل از اسلام اہل جاہلیت ماہِ صفر کو منحوس خیال کرتے اور اس میں سفر کرنے کو برا سمجھتے تھے، اسی طرح دورِ جاہلیت میں ماہِ محرم میں جنگ و قتال کو حرام خیال کیا جاتا تھا اور یہ حرمتِ قتال ماہ صفر تک برقرار رہتی لیکن جب صفر کا مہینا شروع ہو جاتا، جنگ و جدال دوبارہ شروع ہو جاتے لہٰذا یہ مہینہ منحوس سمجھا جاتا تھا۔ عرب کے لوگ ماہ صفر کے بارے عجیب عجیب خیالات رکھتے تھے۔

شیخ علیم الدین سخاوی نے اپنی کتاب 'المشہور فی اسماء الایام والشہور' میں لکھا ہے:

"صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً اُن کے (اہل عرب) گھر خالی رہتے تھے اور وہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے، جب مکان خالی ہو جاتے تو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب کہتے تھے: صَفَرَ الْمَكَانُ "مکان خالی ہو گیا۔"

الغرض آج کے اس پڑھے لکھے معاشرے میں بھی عوام الناس ماہِ صفر کے بارے جہالت اور دین سے دوری کے سبب ایسے ایسے توہمات کا شکار ہیں جن کا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ اسی قدیم جاہلیت وجہالت کا نتیجہ ہے کہ متعدد صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی عوام الناس میں وہی زمانہ جاہلیت جیسی خرافات موجود ہیں۔

صفر کے متعلق جدید خیالات

برصغیر کے مسلمانوں کا ایک طبقہ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتا ہے۔ اس مہینے میں توہم پرست لوگ شادی کرنے کو نحوست کا باعث قرار دیتے ہیں۔ فی زمانہ لوگ اس مہینے سے بدشگونی لیتے ہیں اور اس کو خیر وبرکت سے خالی سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کسی کام مثلاً کاروبار وغیرہ کی ابتدا نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے۔ اس قسم کے اور بھی کئی کام ہیں جنہیں کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو اس مہینے میں شروع کیا جاتا ہے وہ منحوس یعنی خیر وبرکت سے خالی ہوتا ہے۔

ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کی تردید

اس مہینے کی بابت لوگوں میں مذکورہ رسومات وبدعات رواج پاچکی ہیں جن کی تردید نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی:

«لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ»[1]

"(اللہ کی مشیت کے بغیر) کوئی بیماری متعدی نہیں اور نہ ہی بدشگونی لینا جائز ہے، نہ اُلو کی نحوست یا روح کی پکار اور نہ ماہِ صفر کی نحوست۔"

امام ابن قیم فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں نفی اور نہی دونوں معانی صحیح ہوسکتے ہیں لیکن نفی کے معنی اپنے اندر زیادہ بلاغت رکھتے ہیں کیوں کہ نفی 'طیرہ' (نحوست) اور اس کی اثر انگیزی دونوں کا بطلان کرتی ہے، اس کے برعکس نہی صرف ممانعت دلالت کرتی ہے۔ اس

---

1 صحیح بخاری: ۵۷۰۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے ان تمام اُمور کا بطلان مقصود ہے جو اہل جاہلیت قبل از اسلام کیا کرتے تھے۔"[1]

ابن رجب فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث میں ماہِ صفر کو منحوس سمجھنے سے منع کیا گیا ہے، ماہ صفر کو منحوس سمجھنا تطیّر (بدشگونی) کی اقسام میں سے ہے۔ اسی طرح مشرکین کا پورے مہینے میں سے بدھ کے دن کو منحوس خیال کرنا سب غلط ہیں۔"[2]

امام ابوداؤد محمد بن راشد سے نقل کرتے ہیں:

"اہل جاہلیت یعنی مشرکین ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، لہٰذا اس 'لَا صَفَرَ' حدیث میں ان کے اس عقیدہ اور قول کی تردید کی گئی ہے۔"[3]

امام مالک فرماتے ہیں کہ "اہل جاہلیت ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے اور کہتے کہ یہ منحوس مہینہ ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اُن کے اس نظریے کو باطل قرار دیا۔"[4]

ماہ وسال، شب وروز اور وقت کے ایک ایک لمحے کا خالق اللہ ربّ العزت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی دن، مہینے یا گھڑی کو منحوس قرار نہیں دیا۔ در حقیقت ایسے توہمانہ خیالات غیر مسلم اقوام اور قبل از اسلام مشرکین کے ذریعے مسلمانوں میں داخل ہوئے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کے ہاں شادی کرنے سے پہلے دن اور وقت متعین کرنے کے لیے پنڈتوں سے پوچھا جاتا ہے۔ وہ اگر رات ساڑھے بارہ بجے کا وقت مقرر کر دے تو اُسی وقت شادی کی جاتی ہے، اس سے آگے پیچھے شادی کرنا بدفالی سمجھا جاتا ہے ۔ آج یہی فاسد خیالات مسلم اقوام میں دَر آئے ہیں، اس لیے صفر کی خصوصاً ابتدائی تاریخوں کو جو منحوس سمجھا جاتا ہے تو یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، دین اسلام کے روشن صفحات ایسے توہمات سے پاک ہیں۔ کسی وقت کو منحوس سمجھنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ کسی دن یا کسی مہینہ کو منحوس کہنا در حقیقت

---

۱ قرۃ عیون الموحدین: ۲/ ۳۸۴

۲ ایضاً

۳ ایضاً

۴ لطائف المعارف: ص ۱۴۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ رب العزت کے بنائے ہوئے زمانہ میں، جو شب وروز پر مشتمل ہے، نقص اور عیب لگانے کے مترادف ہے اور اس چیز سے نبی نے ان الفاظ میں روک دیا ہے:

«قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهر وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ»[1]

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ وہ وقت (دن، مہینے، سال) کو گالی دیتا ہے حالاں کہ وقت (زمانہ) میں ہوں، بادشاہت میرے ہاتھ میں ہے، میں ہی دن اور رات کو بدلتا ہوں۔“

معلوم یہ ہوا کہ دن رات اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، کسی کو عیب دار ٹھہرانا خالق ومالک کی کاری گری میں درحقیقت عیب نکالنا ہے۔

نحوست کی نفی کرنے والے، بغیر حساب جنت میں

① اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے لوگوں کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مجھے میری اُمت کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ آپ کی اُمت ہے، ان میں ستر ہزار ایسے ہیں جو پہلے جنت میں جائیں گے، ان پر کوئی حساب اور عذاب نہیں ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے پوچھا کہ یہ کس وجہ سے بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں جائیں گے؟ تو جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: «كَانُوْا لَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ»[2]

”(ان کی صفت یہ ہے کہ) وہ اپنے جسم کو داغتے نہیں، نہ ہی دم کرواتے ہیں، نہ کسی چیز کو منحوس سمجھتے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔“

مندرجہ بالا احادیث میں بلا حساب جنت میں جانے والے لوگوں کے اوصاف کا ذکر ہے، ان میں ایک خوبی یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو منحوس نہیں سمجھتے اور ان میں توکل کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے۔

---

۱ سنن ابوداود: ۵۲۷۴

۲ صحیح بخاری: ۶۱۷۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② نبی کریم ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے: «الطِّيَرَةُ شرك، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ»[1]

"کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شرک ہے، کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شرک ہے۔

③ قرآن میں ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾[2]

"کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ ایک کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔"

④ اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے توکل کے بارے فرمایا:

«وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَن يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلاَّ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ وَإِنِ اجْتَمَعُوْكَ عَلٰى أَن يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلاَّ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ»

"جان لو! اگر لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ تمھیں کچھ فائدہ پہنچائیں تو وہ کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے، مگر وہی جو اللہ نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور اگر لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ تمھیں کچھ نقصان پہنچائیں تو وہ تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے۔"

بدشگونی شرکِ اصغر ہے!

بدشگونی یعنی کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شریعت میں سختی سے ممنوع ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ ، اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ»[3]

"بدشگونی لینا شرک ہے، بدشگونی لینا شرک ہے، بدشگونی لینا شرک ہے۔"

جامع ترمذی کے شارح مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری فرماتے ہیں:

---

۱ مسند احمد: ۴/۴۱۰

۲ سورۃ الحدید: ۲۲

۳ سنن ابوداؤد: ۳۹۱۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کا فرمان 'بدشگونی شرک ہے' یعنی لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بدشگونی (کسی چیز کو منحوس سمجھنا) نفع لاتی ہے یا نقصان دور کرتی ہے تو جب اُنھوں نے اسی اعتقاد کے مطابق عمل کیا تو گویا اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکِ خفی کا ارتکاب کیا اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور چیز بھی نفع یا نقصان کی مالک ہے تو اسنے شرکِ اکبر کا ارتکاب کیا۔"[1]

نبی کریم ﷺ نے دوسری جگہ فرمایا:

«مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهِ فَقَدْ أَشْرَكَ»[2]

"جو شخص بدشگونی کے ڈر کی وجہ سے اپنے کسی کام سے رک گیا یقیناً اس نے شرک (اصغر) کا ارتکاب کیا۔"

لہٰذا ماہِ صفر کو منحوس خیال کرنا، نحوست کی وجہ سے اس مہینے میں شادیاں کرنے سے رکے رہنا، اس میں مٹی کے برتن ضائع کر دینا، ماہ صفر کے آخری بدھ یعنی چہار شنبہ کو جلوس نکالنا اور بڑی بڑی محفلیں منعقد کر کے خاص قسم کے کھانے اور حلوے تقسیم کرنا اور چُوری کی رسم ادا کرنا وغیرہ ان احادیث کے مطابق مردود اور شرکیہ عمل ہے جس سے ہر صورت میں اجتناب ضروری ہے۔

آخری بدھ کی خرافات

بعض حضرات و خواتین صفر المظفر کے آخری بدھ کو تعطیل (چھٹی) کر کے کاروبار اور دکانیں بند کر دیتے ہیں اور عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں اور سیر سپاٹے کے لیے گھروں سے نکل جاتے ہیں جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ اس آخری بدھ میں صحت یاب ہوئے تھے اور سیر و تفریح کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے حالانکہ اس دعوی کی اصل نہ حدیث میں ہے اور نہ ہی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ لہٰذا یہ ساری بدعات لغو اور دین حنیف میں اضافہ ہیں، شریعت میں ان کا کوئی جواز نہیں۔ اسی بات کو واضح

---

۱ ج۵/ص۱۹۷

۲ مسند احمد: ۲/۲۲۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے علامہ رشید احمد گنگوہی حنفی رقم طراز ہیں:

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن جناب رسول اللہ ﷺ کو شدتِ مرض واقع ہوئی تھی۔ یہودیوں نے خوشی منائی تھی، وہ اب جاہل ہندوؤں میں رائج ہو گئی ہے۔"[1]

فاضل بریلوی احمد رضا خان چہار شنبہ کے بارے لکھتے ہیں:

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور کا کوئی ثبوت بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفاتِ مبارک ہوئی اسکی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔"[2]

صفر المظفر اور تیرہ تیزی

مغربی دنیا تیرہ (۱۳) کے عدد کو منحوس سمجھتی ہے، یہی فاسد خیالات مسلم قوم میں در آئے ہیں، اس لیے صفر کی خصوصاً ابتدائی تیرہ تاریخوں کو منحوس گمان کیا جاتا ہے۔ ان ابتدائی تیرہ دنوں کو تیرہ تیزہ کا نام دیا جاتا ہے، ان کی نحوست کو زائل کرنے کے لیے مختلف عملیات کیے جاتے ہیں حالانکہ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ دین اسلام کے سنہری اوراق ایسے توہمات سے پاک ہیں اور ان دنوں میں سے کسی دن کو منحوس سمجھ کر شادی سے رک جانے کی بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ان تیرہ دنوں میں کثرت سے بلاؤں، آفتوں اور مصائب کا نزول ہوتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی 'بہشتی زیور' میں لکھتے ہیں:

"صفر کو تیرہ تیزی کہتے ہیں اور اس مہینے کو نامبارک جانتے ہیں اور بعض جگہ تیرہویں تاریخ کو کچھ گھونگنیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کرتے ہیں کہ اس کی نحوست سے حفاظت رہے، یہ سارے اعتقاد شرع کے خلاف اور گناہ ہیں، توبہ کرو۔"[3]

علامہ وحید الزمان رقم طراز ہیں:

---

۱ تالیفات رشیدیہ: ۱۵۴

۲ احکام شریعت: ۱۸۹/۲

۳ بہشتی زیور، چھٹا حصہ: ۵۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"افسوس کہ اب تک ہندوستان کے مسلمان ایسے واہی خیالات میں مبتلا ہیں کسی تاریخ کو منحوس کہتے ہیں، کسی دن کو نامبارک جانتے ہیں، تیرہ تیزی کے صدقے نحوست کو دفع کرنے کے لیے نکالتے ہیں، اسلام میں ان باتوں کی کوئی اصل نہیں، سب دن اللہ کے ہیں اور جو اُس نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے، نجومی اور پنڈت سب جھوٹے ہیں۔"[1]

صفر المظفر کے چند واقعات

واقعات	سن ہجری	سن عیسوی
غزوۂ ابواء، ودان	۲ھ	اگست ۶۲۳ء
واقعہ رجیع	۴ھ	جولائی ۶۲۵ء
واقعہ بئر معونہ	۴ھ	جولائی ۶۲۵ء
سیدنا خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کا قبولِ اسلام	۸ھ	جون ۶۲۹ء
سریہ سیدنا قطبہ بن عامر	۸ھ	مئی ۶۳۰ء
وفد بنو عزرہ کا قبول اسلام	۹ھ	مئی ۶۳۰ء
لشکرِ سیدنا اُسامہ بن زید کی تیاری	۱۱ھ	مئی ۶۳۲ء
فتح مدائن	۱۶ھ	مارچ ۶۳۷ء
ولادتِ امام ابو القاسم سلمان بن احمد طبرانی	۲۶۰ھ	دسمبر ۸۷۳ھ
ولادتِ امام ابو حفص بن شاہین	۲۹۷ھ	اکتوبر ۹۰۹ء
پہلی جنگِ عظیم کا خاتمہ	۱۳۳۷ھ	نومبر ۱۹۱۸ء
قراردادِ پاکستان	۱۳۵۹ھ	مارچ ۱۹۴۰ء
بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کا قتل	۱۴۰۵ھ	اکتوبر ۱۹۸۴ء
یوم تکبیر، پاکستان کا ایٹمی تجربہ	۱۴۱۹ھ	مئی ۱۹۹۸ء

۱ لغات الحدیث: ۲/ ۲۰۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زاہد صدیق مغل[1]

عصر حاضر میں خروج کا مسئلہ اور شبہات کا جائزہ

ماہنامہ 'ساحل' سے متعارف ہونے والے کراچی کے فکری حلقے کے نمائندہ جناب زاہد صدیق مغل نے زیر نظر مضمون میں جمہوریت کا تجزیہ و تردید کرتے ہوئے خلافتِ اسلامیہ کے درجات متعین کئے ہیں۔ اُنہوں نے فی زمانہ خروج کی تحریکوں کی وجہ جواز، اُمتِ مسلمہ پر باطل نظاموں کی حکومت کو قرار دیا ہے کہ جب تک اسلامی نظام قائم نہیں ہو گا، اس وقت تک مسلمان تکفیر و خروج کے اسلامی سیاسی تصور سے استدلال کر کے اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں گے۔ اس سلسلے میں خروج کے شرعی جواز کے دلائل تفصیلاً پیش کرتے ہوئے، اُن کی رائے ہے کہ ان پر خروج کی بجائے جہاد کا لفظ بولنا زیادہ موزوں ہے کیونکہ خروج دراصل کسی اسلامی ریاست کے خلاف ہوتا ہے۔ فی زمانہ مسلمانوں کی موجودہ ریاستوں کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے اُنہوں نے خروج کے لفظ کو خلطِ مبحث قرار دیا ہے۔ ایک مستقل طرزِ فکر ہونے کے ناطے ان کا استدلال بہر حال قابل توجہ ہے۔ یہ مضمون تکفیر و خروج پر جاری اس پہلے مذاکرے کا اہم حصہ ہے جس کی نشاندہی ادارتی صفحات میں کی گئی ہے۔ مدیر

چند روز[2] قبل ایک این جی او کی طرف سے راقم الحروف کو مکالمہ بعنوان 'عصر حاضر میں تکفیر و خروج' کے موضوع پر شرکت کی دعوت دی گئی جس میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماے کرام نے شرکت فرمائی۔ چند وجوہات کی بنا پر راقم مکمل پروگرام میں شرکت نہ کر سکا، البتہ پروگرام کی ریکارڈنگ کے ذریعے شرکاے گفتگو کا مقدمہ اور ان کے دلائل سننے کا موقع ملا۔ پوری نشست کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی شرکاے محفل نہ صرف یہ کہ عصر حاضر میں مسلم ریاستوں کے خلاف خروج کے اُصولی عدم جواز پر متفق ہیں بلکہ قریب قریب ان کا یہ نظریہ ایک آفاقی قضیہ بھی ہے، یعنی ماسوائے کفر بواح، خروج ہر حال میں ناجائز و حرام ہے۔ رہی یہ بات کہ کفر بواح کی صورت میں کیا کیا جائے؟ تو شرکاے مجلس کے رجحانات ذیل میں سے ایک تھے:

① خروج و جہاد کے لئے ایسی سخت شرائط عائد کرنا جن کا مقصد اس جدوجہد کو عملاً ناممکن بنا دینا ہے۔

② ایسے حالات میں اُمتِ مسلمہ کے لئے مروّجہ جمہوری طریقوں سے تبدیلی لانے کی جدوجہد کو

---

۱ اسسٹنٹ پروفیسر، فاسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد zahid_12feb@yahoo.com

۲ ۱۹ر ستمبر ۲۰۱۱ء کو اسلام آباد کی نیشنل لائبریری میں PIPS کے زیر اہتمام ہونے والا پہلا مکالمہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہترین طرزِ عمل قرار دینا، یعنی زیادہ سے زیادہ احتجاج وغیرہ کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ (اس نکتے پر باقاعدہ حدیث سے استدلال بھی فرمایا گیا)

شرکائے مجلس نے دلائل کے طور پر قرآنی آیات واحادیث سے بھی اپنے استدلال کو مزین فرمانے کی کوشش کی نیز اس سلسلے میں (سیاق وسباق سے کاٹ کر) کتبِ فقہ کی عبارات سے بھی اپنے دعوے کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ ممانعتِ خروج کی حکمتوں پر انتہائی شدومد کے ساتھ زور دیتے ہوئے کہا گیا کہ خروج سے منع کرنے کی وجہ مسلمانوں کو فساد سے بچانا نیز امن وسلامتی پر مبنی ریاست قائم کرنا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہنے والے اس مکالمے میں جہاں یکطرفہ طور پر خروج کی ممانعت ثابت کرنے کے لئے اِس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا وہاں حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے خروج کا کلیتاً ذکر تک نہ ہوا کہ جاری بحث کی روشنی میں ان دونوں حضرات کے خروج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

زیر نظر مضمون کے پیش نظر دو مقاصد ہیں: اوّلاً اپنے موقف کو پیش کرنا (جس کا موقع پروگرام میں نہ مل سکا)، ثانیاً دیگر شرکائے محفل کے موقف کا جائزہ پیش کرنا۔ دھیان رہے نفس مضمون کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں کہ خروج کرنا ہر حال میں واجب ہے یا مصلحانہ اسلامی جدوجہد کرنا باطل ہے اور نہ ہی اس کا مقصد کسی مخصوص تحریکِ خروج کو جواز فراہم کرنا ہے، بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ جس طرح اصلاحی تحریکات کا دین میں مخصوص مقام ہے اسی طرح انقلابی جدوجہد (خروج وجہاد) بھی ایک جائز حکمتِ عملی ہے اور موجودہ دور میں اصولی طور پر اس کی ضرورت واہمیت کا انکار کرنے والے حضرات نہ صرف یہ کہ غلطی پر ہیں بلکہ ایک جائز واہم طریقۂ تبدیلی کے مواقع کو اپنے ہاتھ سے ضائع کر دینے والے ہیں۔ مباحثِ مضمون چار حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں:

① بنیادی مدعا یہ ہے کہ دورِ حاضر کی ریاستیں کسی بھی درجے میں خلافت اسلامیہ کے ہم پلہ نہیں بلکہ درحقیقت یہ سرمایہ دارانہ ریاستیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ریاستوں کے خلاف خروج کی بحث اُصولاً غلط ہے کیونکہ خروج تو فاسق وفاجر مگر 'اسلامی ریاست' کے خلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ موجودہ ریاستوں کے خلاف انقلابی جدوجہد کا جواز خروج سے بھی آگے بڑھ کر مباحثِ جہاد سے فراہم کیا جانا چاہئے۔ اس بنیادی دعوے کی تفہیم کے لئے جن اُصولی مباحث کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، ان کی وضاحت حصہ اوّل میں کی گئی ہے۔ ان مباحث سے اقوالِ فقہا سمجھنے میں بھی مدد حاصل ہوگی۔

② موجودہ سرمایہ دارانہ مسلم ریاستوں کے خلاف خروج کا عدم جواز ثابت کرنے والے مفکرین اپنے دعوے میں وزن پیدا کرنے کے لئے فقہائے کرام کے جن خلافِ خروج اقوال کا سہارا لیتے ہیں، ان اقوال کا درست فقہی تناظر حصہ دوم میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ حصہ سوم میں منکرین خروج کے اُن شکوک و سوالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جنہیں اکثر و بیشتر انقلابی و جہادی جدوجہد کے خلاف بطورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

④ آخری حصے میں تحریکاتِ اسلامی کی خدمت میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی قوت کا بھرپور اظہار کس طرح ممکن ہے۔ وما توفیقی الا باللہ! (آخری دونوں حصے آئندہ شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ)

حصہ اوّل: خروج کے ضمن میں چند اُصولی مباحث

زیر بحث موضوع پر درست زاویہ نگاہ سے غور کرنے کے لئے چند اُصولی نکات کی وضاحت ضروری ہے، لہٰذا پہلے اُن کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے:

۱) ریاست و حکومت کا فرق: خروج کی بحث کو درست طور پر سمجھنے کے لئے حکومت و ریاست کا فرق سمجھنا نہایت ضروری امر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حکومت کو ریاست کے ہم معنی سمجھنا ہی بے شمار علمی و فکری مسائل کی اصل وجہ ہے۔ درحقیقت جب تک یہ فرق واضح نہ ہو فقہاے کرام کی خلافِ خروج عبارات کا اصل محل سمجھنا نہایت دشوار امر ہے۔ چنانچہ ریاست کا معنی 'نظام اقتدار' یا 'نظامِ اطاعت و جبر' ہوتا ہے جبکہ حکومت محض اس کا ایک جز ہے، نہ کہ کل ریاست۔ نظام اقتدار کا دائرہ خاندان سے لیکر حکومت تک پھیلا ہوتا ہے جس میں نظام تعلیم، معاشرتی تعلقات کی حد بندیاں، نظام تعزیر، قضا، حسبہ اور انہیں نافذ کرنے والے ادارے وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں جن میں سے ایک اہم مگر جزوی ادارہ حکومت بھی ہوتا ہے۔

درج بالا فرق کی وضاحت ہم جمہوریت کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ جمہوریت محض تبدیلی حکومت کے ایک مخصوص طریقے (ووٹنگ) کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل ریاستی نظام ہے جس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا جاسکتا ہے:

جمہوری نظم ریاست کے کلیدی ادارے: مقننہ، بیوروکریسی (انتظامیہ) و ٹیکنوکریسی (سرمایہ دارانہ علوم کے ماہرین)، عدلیہ، کورٹس، پولیس، فوج، کارپوریشن و فائنانشل ادارے (مثلاً بینک)، تعلیمی نظام، انٹرسٹ گروپس، آزاد میڈیا وغیرہم

جمہوری نظم ریاست میں سرمایہ دارانہ عقلیت کے فروغ میں سرگرم کلیدی کردار: دانشور، کلچرل ہیروز (سپورٹس مین، سائنسدان وغیرہ)، ٹیکنوکریٹ، استعماری ایجنٹ

جمہوری نظام نمائندگی کے اہم ادارے: انٹرسٹ گروپس، ہیروز کی پرستش، سیاسی پارٹیاں، ایڈمنسٹریشن، سرمایہ دارانہ تحریکیں

جمہوری نظام نفاذ کے اہم ادارے: فوج و پولیس، کورٹس اور عدلیہ کا نظام، شمولیت (سیاسی مخالفین کو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ملانا)، اخراج (مخالفین کو بے دست و پا کر دینا)، سوشل ویلفیئر، صنعتی تعلقات

درحقیقت جمہوریت ایک پیچیدہ اور گنجلک ریاستی نظام ہے جس میں طاقت کے بے شمار مراکز ہوتے ہیں اور اُن کا مقصد فرد و معاشرے پر سرمایہ دارانہ عقلیت (rationality) وعلوم کی فرمانروائی قائم کرنا ہے۔ جمہوری 'ریاست' کے اس نقشے کی روشنی میں حکومت اور ریاست کا فرق سمجھنا ممکن ہے، یعنی جمہوری حکومت سے مراد محض مقننہ (وہ بھی محض ایوانِ زیریں) ہے جبکہ جمہوری ریاست (نظامِ اطاعت) سے مراد درج بالا تمام ادارے ہیں۔ اب فرض کریں اگر محض حکومت بدلنے کے طریقے کو تبدیل کر کے کوئی خاندان جمہوری نظامِ ریاست پر قبضہ کر لے اور پھر بعینہٖ انہی جمہوری اداروں کے تحت حکمرانی کرنے لگے تو اسے جمہوری نظام کی تبدیلی نہیں کہا جاتا بلکہ اس قسم کی جمہوریت کو 'آمرانہ جمہوریت' (ill-liberal democracy) کہتے ہیں (جیسے پاکستان میں فوجی مداخلت کے بعد قائم ہونے والی جمہوریت ہوتی ہے)۔ چنانچہ کئی مسلم مفکرین[2] کے خیال میں ایسی مسلم ریاستیں جہاں روایت پسند اسلام اور روایت پسند اسلامی تحریکات کا زور بہت زیادہ ہے، وہاں لبرل جمہوریت قائم کرنا سرمایہ دارانہ ریاستی نظم کے لئے شدید خطرے کا باعث بن سکتا ہے (مثلاً اگر عوام ایسی پارٹی کو ووٹ دے کر حکومت میں لے آئیں جو آزادی، مساوات، ترقی، ہیومن رائٹس وغیرہ کو رد کرتی ہو تو پھر عین ممکن ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہی لپیٹ دیا جائے)۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے مسلم اکثریتی علاقوں میں آمرانہ جمہوریتیں (بصورت استعمار دوست بادشاہوں یا ڈکٹیٹروں کی حکومت) قائم کی جائیں تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ جس قدر سرمایہ دارانہ نظام مستحکم ہوتا چلا جائے گا، اسی قدر اس بات کے امکانات بڑھ جائیں گے کہ روایت پسندی جدیدیت پسندی میں تبدیل ہو جائے گی، سرمایہ دارانہ علوم و اداروں کا فروغ لوگوں کو اسلام کے بجائے خواہشاتِ نفس کا خوگر بنا دے گا، ساتھ ہی ساتھ اسلامی تحریکیں بھی جمہوری نظام میں اپنی جگہ بنانے کے لئے حقوق کی سیاست کرنے پر آمادہ ہوتی چلی جائیں گی اور جب یہ اطمینان ہو جائے کہ اب جمہوری نظام کو کوئی خطرہ نہیں تب آمرانہ جمہوریت کو لبرل جمہوریت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ (عرب دنیا میں جاری بے چینی کی حالیہ لہر درحقیقت آمرانہ جمہوریتوں کو لبرل جمہوریتوں میں تبدیل کرنے کی کوشش ہے، اُنہیں اسلامی تبدیلی کا پیش خیمہ سمجھنا سادہ لوحی کے سوا کچھ نہیں)

چونکہ جمہوری نظامِ ریاست جس 'شیطانی انفرادیت' (یعنی ہیومن بینگ) کے وجود کا تقاضا کرتا ہے

---

۱ سرمایہ دارانہ نظامِ ریاست کی ہیئت سمجھنے کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب کا نہایت قیمتی و اہم مضمون 'لبرل سرمایہ دارانہ ریاست' کتاب 'جمہوریت یا اسلام'

۲ لبرل اور آمرانہ جمہوریتوں کا فرق، ان کے وجہ جواز اور برائے نام اسلامی ریاستوں کی حقیقت سمجھنے کے لئے دیکھئے: فریاد زکریا کی کتاب Future Of Freedom

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ انسانی فطرت کے کلیتاً منافی ہے، لہٰذا یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں آج تک جمہوری ریاست بذاتِ خود جمہوری طریقے سے نافذ نہیں کی جا سکی بلکہ اس کے لئے ابتدائی دور میں قتل وغارت گری اور جبر و استبداد سے کام لینا پڑتا ہے اور جس رفتار سے جمہوریت کے ریاستی ادارے مستحکم ہو جاتے ہیں، اسی قدر جمہوریت کو بھی لبرل بنا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح فرض کریں اگر کسی جمہوری ریاست میں آزاد میڈیا نہ ہو (جیسے پاکستان میں مشرف کے دور سے پہلے نہ تھا) یا عدلیہ کرپٹ ہو تو اسے جمہوری ریاست کے عدم وجود کے ہم معنی نہیں کہا جاتا۔ حکومت و ریاست کا یہ فرق ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کی روشنی میں ہم فقہاے کرام کے اقوال سمجھنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔

۲) **خلافتِ اسلامی کے درجات:** خروج کے ضمن میں فقہاے کرام کے اقوال کی درست تعبیر بیان کرنے کے لئے اسلامی خلافت اور اس کے درجات پیش نظر رہنا بھی نہایت اہم امر ہے۔ ذیل میں اس کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

اسلامی خلافت و ریاست (نظامِ اقتدار) کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی سیاسی نیابت ہے، یعنی یہ ماننا کہ انفرادی اور اجتماعی تمام معاملات میں فیصلے اس بنیاد پر ہونگے کہ شارع کی رضا کیا ہے، حکمران خود بھی اس پر عمل کرے گا اور عوام کو بھی عمل کرائے گا۔ اس نیابت میں درجات کی مثال درحقیقت درجاتِ ایمان کی سی ہے، یعنی جیسے مسلمانوں کے ایمان کے درجات ہوتے ہیں، کچھ وہ ہیں جنہیں ہم ابو بکر و عمر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں؛ کچھ اس سے کم ایمان رکھتے ہیں، کچھ ہم جیسے کمزور ایمان والے ہیں، ان میں بھی کچھ کم درجے کے فاسق ہیں اور کچھ انتہائی درجے کے فاسق، لیکن اس کی بیشی درجات کے باوجود سب کے سب مسلمان ہی ہیں۔ گو کہ مطلوبِ اصلی تو صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا ایمان ہی ہے لیکن اس درجہ ایمانی سے کم ایمان والے لوگوں کو ہم مسلمان کہنے کے بجائے کچھ اور نہیں کہتے۔ بعینہٖ یہی معاملہ خلافت کا بھی ہے کہ اس میں ایک درجہ وہ ہے جسے ہم 'خلافتِ راشدہ' کہتے ہیں جو خلافتِ اسلامی کے اظہار کا بلند ترین درجہ تھا جبکہ اس کے بعد گو کہ خلافت تو موجود رہی مگر اس کے اظہار کا وہ معیاری درجہ مفقود ہو گیا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ خلافت راشدہ کے بعد خلافت کا آئیڈیل نظام باقی نہ رہا اور مطلوبِ اصلی وہی نظام ہے لہٰذا ہم بعد والے دور کو خلافت کے بجائے کسی اور نام (مثلاً مسلمانوں کی تاریخ) سے پکاریں گے تو یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ آئیڈیل اور مطلوب ایمان تو صحابہ کا ہی تھا اور اس کے بعد مطلوب ایمان کا درجہ قائم نہ رہا لہٰذا ہم بعد والے لوگوں کو مسلمان کے علاوہ کچھ اور (مثلاً مسلمانوں جیسے) کہیں گے۔

پھر جیسے ہر ریاست کے ذمے چند اندرونی اور بیرونی مقاصد کا حصول اور اس کے لئے لائحۂ عمل وضع کرنا ہوتا ہے، اسی طرح خلافت کے بھی دو تقاضے ہیں: ریاست کے اندرونی معاملات کی سطح پر اقامتِ دین کے لئے نفاذ شریعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بنیاد پر نظام اقتدار کی تشکیل اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیرونی معاملات میں اعلاے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد و تبلیغ کا نظام مرتب کرنا۔

درجاتِ خلافت کی تفصیلات درج ذیل طریقے سے بیان کی جاسکتی ہے:

الف) خلافتِ راشدہ: اس کا مفہوم یہ ہے کہ نیابت رسول ﷺ میں بندگانِ خدا کی اصلاح، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، نفاذ شریعت واعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کے سوا ذاتی سطح پر ہرگز بھی کچھ مطلوب نہ ہو۔ یعنی اتباعِ نفس و مرغوباتِ نفسانیہ کا ہرگز بھی کوئی گذر نہیں ہوتا یہاں تک کہ رخصتوں، مباحات و توسع کے بجائے عزیمت، تقویٰ و احتیاط کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس رویے کی وضاحت خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کی دو مثالوں سے ہو جاتی ہے:

① باوجود اس کے کہ اسلام میں خلیفہ کے لئے متوسط درجے کا معیارِ زندگی اختیار کرنا جائز ہے تاہم خلفاے راشدین نے ہمیشہ کم سے کم تر پر ہی اکتفا کیا۔

② باوجود اس کے، کہ خلیفہ کے لئے اپنی حفاظت کا مناسب بندوبست کرنا جائز ہے لیکن خلفائے راشدین نے کبھی اس کا اہتمام نہ فرمایا، حالانکہ تین خلفا شہید تک ہوئے۔

نیابت رسول ﷺ میں اختیارِ عزیمت و احتیاط کا یہ پہلو ہر معاملے میں اپنایا جاتا تھا اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کسی بھی خلیفۂ راشد نے اقتدار کو اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرنے کی ادنیٰ درجے میں بھی کوشش نہیں کی۔ درحقیقت یہی وہ پہلو ہے جو خلافت راشدہ کو محض خلافت سے ممیز کرتا ہے۔

ب) خلافت / امارت / سلطنت سے مراد یہ ہے کہ نفاذِ شریعت و جہاد کے ساتھ ساتھ دنیاوی مقاصد، مثلاً مرغوباتِ نفسانیہ، مال و جاہ کی خواہش، اقربا پروری، اَمصار و بلدان پر تسلط اور طولِ حکومت کی آرزو وغیرہ بھی شامل حال ہو جاتے ہیں۔ اس ہوا و ہوس کے بھی کئی مراتب ہیں جن کی بنا پر خلافت کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے:

اوّل: امارتِ عادلہ کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان حکمران عادل ہو جیسے عمر بن عبد العزیز، سلیمان بن عبد الملک، اورنگ زیب عالمگیر وغیرہم۔ یعنی نیابت رسول ﷺ میں ظاہر شریعت حاکم کے ہاتھ سے نہ چھوٹتی ہو، نہ ہی فسق و فجور میں مبتلا ہوتا ہو۔ اگر معصیت میں مبتلا ہو بھی جائے تو اس پر دوام اختیار نہ کرتا ہو نیز مباحات و توسعات کے درجے میں لذاتِ نفسانیہ تلاش کر لیتا ہو۔

دوم: امارتِ جابرہ سے مراد فاسق مسلمان حکمران ہے لیکن اس کا فسق انتہائی درجے کا نہیں ہوتا۔ یہ ایسا حاکم ہوتا ہے جس سے احکاماتِ شریعہ میں کوتاہی ہو جاتی ہے، یعنی اطاعتِ نفس میں دائرۂ شریعت سے باہر نکل کر فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر اس پر پشیماں بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی توبہ کی فکر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود نفاذِ شریعت و مقاصدِ شریعت کے نظام کو قصداً تہہ و تیغ نہیں کرتا بلکہ انہیں جوں کا توں بجالانے کی روش برقرار رکھتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوم : امارتِ ضالہ کا معنیٰ ایسا مسلمان حکمران ہے جو انتہائی فاسق، فاجر و ظالم ہو۔ تکبر، ظلم و تعدی کی بنیاد ڈالتا ہے، نفس پرستی میں ہمت صرف کرتا ہے، فسق و فجور کے طریقوں کو عام کرنے کو اپنی پالیسی بنالیتا ہے، بیت المال کو ذاتی ملکیت بنالیتا ہے وغیرہ۔ گویا امارتِ جابرہ و ضالہ میں فرق کرنے والی ایک اہم شے حکمران طبقے کے فسق و ظلم کا اسلامی ریاستی نظم کے لئے لازم یا متعدی ہونا ہے۔

چہارم: حاکمیتِ کفر ایک ایسی ریاست جو شریعت کے برعکس کسی دوسری بنیاد (مثلاً ہیومن رائٹس) پر قائم ہوتی ہے۔ یہاں خود ساختہ قوانین کو شرع پر ترجیح دی جاتی ہے، حرام کو قوانین کا درجہ دے دیا جاتا ہے، حلال پر قدغنیں عائد کر دی جاتی ہیں، شارع کے واضح احکامات کو بھی پس پشت ڈال کر دشمنانِ اسلام کے طریقوں کو رائج کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کئے جاتے ہیں وغیرہ۔

کسی ریاست کے کفریہ ہونے کے لئے یہ بات غیر اہم ہے کہ اس کا حاکم مسلمان ہے یا کافر۔ مثلاً بارک اوبامہ (یا کسی اور مسلمان) کے امریکہ کے صدر بن جانے سے امریکہ دارالاسلام نہیں بن جائے گا۔ یا جیسے افغانستان میں اشتراکی نظام نافذ کرنے والے تمام لوگ بظاہر کلمہ گو ہی تھے مگر ان کا یہ دعوی ایمانی کسی اشتراکی ریاست کو اسلامی کہلانے کے لئے کفایت نہ کرے گا۔

اس تقسیم سے ضمناً یہ اہم بات واضح ہوتی ہے کہ ہماری تاریخ میں اقتدار (نظامِ جبر) بحیثیتِ مجموعی اسلامی تھا گو کہ اچھی بری حکومتیں آتی رہیں۔ یقیناً اسلامی تاریخ میں برائیاں رہی ہیں، مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی ریاست ناپید ہو گئی تھی، بلکہ صرف اس لئے کہ مسلمان فرشتے نہیں بلکہ دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہی ہیں جن سے غلطی اور گناہ کا صدور ممکن ہے۔ چنانچہ بیرونی طور پر اسلام مخالف طاقتوں کا مقابلہ اور ان سے جہاد اور اندرونِ ریاست مذہبی و تمدنی زندگی کے اداروں و شعبوں میں احکاماتِ شریعہ کے نفاذ کے مقاصد مختلف درجات میں ادا کئے جاتے رہے، گو خلافتِ راشدہ کے بعد اس کے ساتھ ذاتی مفادات اور عملی کوتاہیوں کے معاملات بھی شامل حال ہو گئے تھے۔ (اس نکتے کی مزید وضاحت درج بالا مثال سے سمجھی جا سکتی ہے)

۳) **موجودہ مسلم حکومتوں کی حیثیت :** اقوالِ فقہا کو درست طور پر سمجھنے نیز موجودہ دور پر انہیں چسپاں کرنے کی غلطی سمجھنے کے لئے خلافت اور موجودہ مسلم ریاستوں کے فرق پر غور کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے جس سے یہ واضح ہو سکے گا کہ اکثر و بیشتر مسلم ریاستیں خیر القرون کی خلافت تو کجا خلافتِ عثمانیہ و مغلیہ کے ہم پلّہ بھی نہیں۔ درج ذیل تمام نکات بذاتِ خود تفصیل طلب موضوعات ہیں لیکن نفسِ مضمون اور خوفِ طوالت ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم ان کی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں۔[1]

---

۱ ان کی مختصر وضاحت کے لئے دیکھئے راقم کا مضمون 'اسلام خلافت اور موجودہ مسلم ریاستوں کا تاریخی تناظر میں موازنہ'... کتاب 'جمہوریت یا اسلام'

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① قومی بمقابلہ اسلامی ریاست
② حاکم کے لئے نمائندگی عوام بمقابلہ نیابتِ رسول ﷺ
③ سوشل سائنسز بمقابلہ علومِ شرعیہ کی بالادستی
④ دستور (ہیومن رائٹس) بمقابلہ شریعت (نظامِ قضا) کی بالادستی
⑤ مذہبی معاشرت بمقابلہ سول سوسائٹی

ان نکات کی نوعیت سے واضح ہے کہ موجودہ مسلم ریاستیں دانستہ ونادانستہ طور پر ایک ایسے نظام پر مبنی اور اس کی حامی وناصر ہیں جہاں خدا کے بجائے عوام کی حاکمیت، علومِ شرعیہ کے بجائے سرمایہ دارانہ علوم اور شرع کے بجائے دستور نافذ ہے۔ درحقیقت جدید مسلم ریاستیں ہیومن رائٹس کی بالادستی کا اقرار کرکے بذاتِ خود اپنے سرمایہ دارانہ ہونے کا کھلم کھلا اعلان کر رہی ہیں اور یہ بات پولیٹکل سائنس کے ہر طالب علم پر واضح ہے کہ ہیومن رائٹس پر مبنی جمہوری ریاست ایک pluralistic (کثیر الخیر تصوراتی) ریاست ہوتی ہے جہاں کسی مذہب کی بالادستی کا دعویٰ سرمایہ دارانہ نظام کے استحکام کے لئے بطورِ ایک حربہ کچھ عرصے قبول تو کیا جاسکتا ہے (جسے آمرانہ جمہوریتیں کہا جاتا ہے) البتہ ایسی ریاست کے اندر مذہبی حاکمیت کو محفوظ کرنا اور فروغ دینا ناممکن الوقوع شے ہے۔ یہ ریاستیں 'خیر' نہیں بلکہ 'حقوق' پر مبنی ریاستیں ہوتی ہیں لہٰذا ہر وہ ریاست جو ہیومن رائٹس کو جزوی یا کلی طور پر قبول کرتی ہے وہ سیکولر ریاست ہوتی ہے۔ جمہوری ریاست کے اندر عبوری دور کے لئے کسی قسم کی مذہبیت کو محض اس لئے روا رکھا جاتا ہے کہ چونکہ مقامی لوگ ابھی پوری طرح Enlightened (مہذب یعنی ہیومن بینگ) نہیں ہو سکے ہیں لہٰذا اُنہیں ان کے مقامی تعصبات (مثلاً مذہبی یا روایتی وابستگیوں) کے ساتھ ہیومن رائٹس کی بالادستی قبول کرنے کا پابند بنایا جائے تاکہ ایک طرف ان کی 'نفسیاتی تسکین' کا سامان بھی فراہم ہو جائے اور دوسری طرف 'عملاً سرمایہ دارانہ نظام کو قبولیتِ عامہ' فراہم کرنے کے لئے ادارتی صف بندی کرنے کا موقع بھی میسر آجائے۔ جوں جوں سرمایہ دارانہ نظام مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے روایتی مذہبی عقلیت وعلمیت تحلیل ہو کر بے معنیٰ ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ دنیا میں ہر جگہ سرمایہ دارانہ نظام کو اسی حربے کے ذریعے آفاقی قبولیت فراہم کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر کا سب سے بڑا اور غالب ترین کفر بواح 'ہیومن رائٹس کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اس کا اقرار کرنا' ہے۔[1]

[1] ہیومن رائٹس کی تفصیلی وضاحت نیز اسلامی تعلیمات میں اس کے جائزے کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون 'جدید اعتزال کے فکری ابہامات کا جائزہ' ماہنامہ 'محدث' ۲۰۰۹ء، نیز جمہوری ریاست کے اندر اسلامی جدوجہد کی لایعنیت سمجھنے کے لئے دیکھئے ہمارا مضمون 'جمہوریت اور اس کے تناظر میں برپا اسلامی جدوجہد کا تنقیدی جائزہ' کتاب 'جمہوریت یا اسلام'

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مختصر وضاحت سے معلوم ہوا کہ موجودہ مسلم ریاستیں درحقیقت سرمایہ دارانہ ریاستیں ہیں گو اُنہیں چلانے والے مسلمان ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ریاستی اداروں کے ممبران بہر حال مسلمان ہی ہیں (جن میں سے کئی ایک مخلصین بھی ہیں)، مگر یہ ایسے ہی ہے جیسے مسلمان عیسائی یا ہندو ریاست قائم کرکے اس کے قانون کے ماتحت زندگیاں بسر کرنے لگیں، اسی کو ہم نظریاتی محکومی کہتے ہیں۔ اِنہی معانی میں موجودہ دور میں پائی جانے والی عمومی صورت حال نئی اور منفرد ہے کہ 'قومی نوعیت' کے مسلمان حکمران (بہ استثنائے چند) اس سے پہلے ماضی میں کسی 'باطل نظام' کے تحت حکمرانی نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا جرم فسق وفجور کی نوعیت کا ہوتا تھا، نہ کہ کسی نظامِ باطل کے حامی وناصر ہونے کا۔ (اس معنی میں کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ مسلم ریاستیں تو یزید کی امارت سے بھی بدتر ہیں، کم از کم وہ کسی اسلام کش نظام کا حامی تو نہیں تھا، خیال رہے کہ ہم یزید کی حمایت نہیں کررہے بلکہ موجودہ مسلم ریاستوں کو اس کی امارت سے بھی بدتر کہہ رہے ہیں)۔ اکثر وبیشتر مسلم ریاستیں جس علمیت، قانون، معاشرت وسیاست کو فروغ دے رہی ہیں وہ سرمایہ دارانہ خدوخال پر مبنی ہیں جن کا اسلام سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔

۴) اُمتِ مسلمہ میں خروج کی حالیہ لہر کی وجوہات: یہ بات سمجھنا بھی نہایت اہم ہے کہ آخر پچھلی نصف صدی میں ہی اُمت مسلمہ کے اندر خروج کی اس قدر تحریکات کیوں برپا ہورہی ہیں۔ مختصر اُذیل کے نکات پر غور کرنے سے اس کی جائز فکری بنیادیں سمجھی جاسکتی ہیں:

① لگ بھگ ۱۹۲۴ء تک کم یا زیادہ کے فرق کے ساتھ، اسلامی ریاست اور شریعت کی حکومت مسلمانوں پر قائم تھی۔

② ایک بیرونی استعمار نے فوجی، قانونی، سیاسی، سماجی، تعلیمی و نظریاتی استبداد کے ذریعے مسلم دنیا پر سرمایہ دارانہ نظام مسلط کردیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جدید مسلم مفکرین جن مغربی تصورات واداروں (مثلاً جمہوریت) پر فریفتہ ہوکر اُنہیں 'عین اسلام' قرار دے رہے ہیں، ان کا کوئی سراغ تک اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا۔ یہاں سے یہ نکتہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آخر ابتدائی دور میں آمرانہ جمہوریتیں کیوں قائم کی جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد اسی قسم کی غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے کا موقع حاصل کرنا ہوتا ہے۔

③ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ تبدیلی جس سے اُمتِ مسلمہ کو سابقہ پڑا، ان معنی میں پہلی تبدیلی تھی کہ مسلمانوں کے نظم اجتماعی کی بنیاد اسلام وشریعت کے سوا کچھ اور ہوگئی (ان معنی میں کمزور ترین مغل سلطان بہادر شاہ ظفر کی ریاست بھی جدید مسلم ریاستوں سے کئی گنا بہتر تھی)

④ مسلم علاقوں سے استعمار کے جانے کے بعد ان علاقوں کے اس سیکولر وجدیدیت زدہ طبقے کو جو دینِ استعمار کا دلدادہ اور پیروکار تھا، تقریباً ہر مسلم علاقے میں 'ہیرو' بنا کر وہاں ایک قوم پرست

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست قائم کر کے قابض کر دیا جاتا ہے اور یہ طبقہ ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام کا 'مقامی رکھوالا' بن بیٹھتا ہے تو دوسری طرف اسلام پسندوں پر کوڑے برسانے اور نظم اجتماعی میں اُنہیں دیوار سے لگانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

⑤ ساتھ ہی طویل عرصے تک کئی اسلامی تحریکات کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا جاتا ہے کہ تمہارا مسئلہ عوامی رائے کا تمہارے ساتھ نہ ہونا ہے، لہٰذا اگر تم عوامی رائے کی بنیاد پر حکومت بنالو تو جو جی میں آئے کر لینا (یہ اور بات ہے کہ بذات خود یہ جمہوری ریاستیں قائم کرنے کیلئے مقامی لوگوں کی رائے ضروری نہیں)، لیکن اگر کہیں (مثلاً الجزائر میں) اسلامی تحریکات نے اکثریتی ووٹ لا کر ان کے سامنے دھر بھی دیئے تو ایسے الیکشن کو کالعدم قرار دیکر اسلامک فرنٹ کی حکومت قائم نہ ہونے دی گئی کیونکہ اس حکومت سے خود جمہوری نظام کو خطرہ لاحق تھا۔

⑥ پس جہاں ایک طرف جمہوریت پسند طبقوں کے 'عمل' نے حقیقت پسند اسلام پسندوں کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک کر دیا کہ جمہوری راستے سے سرمایہ دارانہ نظم ریاست ختم کر کے اسلامی نظم ریاست قائم کرنا ممکن ہے، وہاں ساتھ ہی مغربی فکر کے تفصیلی مطالعے سے یہ نظریاتی حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ جمہوریت کا مطلب 'اکثریتی رائے' (will of all) نہیں بلکہ 'ارادہ عمومی' (general will) یعنی آزادی و ہیومن رائٹس کی بنیاد پر ریاستی نظام قائم کرنا ہوتا ہے، اس ارادۂ عمومی کو کسی مذہب یا روایت کی بنیاد پر کالعدم قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس فریم ورک کے اندر کسی مذہب کی بالادستی قائم کرنا ممکن ہوتا ہے کیونکہ ارادۂ عمومی کی حاکمیت بندگی رب نہیں بلکہ آزادی (بغاوت) کو فروغ دیتی ہے۔

⑦ چنانچہ جس طرح ریاستی سرپرستی ختم ہو جانے کے بعد علوم دینیہ کے تحفظ کے لئے علماے کرام نے مساجد و مدرسہ کی سطح پر علمی جدوجہد برپا کی، معاشرے کے اجتماعی بگاڑ کے پیش نظر اَن گنت اصلاحی اسلامی تحریکات سامنے آئیں، بالکل اسی طرح اسلامی قوت جمع کر کے اقتدار کو کفر کے بجائے شریعت کے تابع کرنے کے لئے انقلابی و جہادی تحریکات کا وجود میں آنا بھی نہ صرف یہ کہ عین فطری تقاضا تھا بلکہ اُمتِ مسلمہ کی ایک اہم ضرورت بھی۔[1] لہٰذا قابل فکر بات یہ سوچنا نہیں کہ ان تحریکات کو ختم کیسے کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ تمام اسلامی تحریکوں کے کام میں ربط کیسے

[1] انقلابی تحریک کے قدرے نرم گوشہ رکھنے والے مفکرین و علما کا بھی یہ خیال ہے کہ یہ تحریکیں علمی و نظریاتی نہیں بلکہ منافق قسم کے حکمرانوں کے خلاف انتقام، نا اُمیدی و غصے کے جذبات کا (ناجائز) اظہار ہیں، حالانکہ یہ تجزیہ محل نظر ہے کیونکہ جس طرح اُنیسویں صدی کے مخصوص حالات میں علماے کرام کا سیاسی صف بندی سے کنارہ کش ہو کر مدارس کی سطح پر اسلامی علوم کو محفوظ کرنے کا فیصلہ خالصتاً علمی و نظریاتی (اور الحمد للہ کامیاب) اجتہاد تھا، بالکل اسی طرح بیسویں صدی میں انقلابی و جہادی تحریکات کا زور پکڑنا بھی ایک شعوری و نظریاتی اجتہادی فیصلہ ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا کیا جائے۔(اس نکتے پر کچھ گفتگو ذیل میں آئے گی)

⑧ چنانچہ اگر سرمایہ دارانہ نظام اور استعمار ایجنٹ حکمرانوں کو مسلم علاقوں میں بے دست و پا کر کے اسلامی خلافت قائم کر دی جائے تو تحریکاتِ خروج و انقلاب خود بخود ختم ہو جائیں گی، جب تک ایسا نہ ہو گا، ان تحریکات کا استحقاق وجود اور وجہ جواز بہر حال قائم رہے گا۔ (اسی لئے کہتے ہیں 'ضرورت ایجاد کی ماں ہے')

حصہ دوم: اقوالِ فقہا اور خروج

ان اُصولی مباحث کے بعد اب آیئے اقوالِ فقہا کی طرف۔ معاصر منکرین خروج اپنے دعوے کے اثبات کے لئے فقہائے کرام کے ان اقوال کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں فاسق و متغلب ملوک کے خلاف خروج سے منع کیا گیا ہے۔ درحقیقت اقوالِ فقہا کو بطورِ دلیل پیش کرنے سے پہلے ان کا درست محل سمجھنا ضروری ہے جسے دو پہلوؤں سے سمجھا جا سکتا ہے، ایک اسلامی خلافت کے درجات کی روشنی میں۔ ثانیاً، خلافت اور جدید ریاستوں کے فرق کی روشنی میں۔ ذیل میں دونوں پر بالترتیب گفتگو کی جائے گی:

۱) اقوالِ فقہا کا شرعی پہلو

جیسا کہ واضح کیا گیا کہ خروج سے مراد، فاسق مسلمان حکمران کی اطاعت سے نکل کر بذریعہ قوت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جدوجہد برپا کرنا ہے۔ خروج کی اصل اطاعتِ امیر کا اطاعتِ شارع سے مشروط ہونا اور مسلمانوں پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا لازم ہونا ہے۔ یہ امر کہ خروج کب کیا جائے علماء کے ہاں ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اس مسئلے میں درج ذیل اُمور اہمیت کے حامل ہیں:

① علما کا اس امر پر اجماع ہے کہ امامِ عادل کی اطاعت واجب ہے اور اس کی اطاعت سے نکلنا ان تمام وعیدوں کا مصداق بنتا ہے جو احادیث میں 'الجماعۃ' سے علیحدگی اختیار کرنے والوں کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ ایسے عادل حاکم کا تختہ اُلٹنے کے لئے ہتھیار اُٹھانا یا اس کے اقتدار کو کمزور کرنے کے لئے گروہ بندی کرنا بغاوت کے زمرے میں شمار ہو گا اور ایسا کرنے والوں کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

② اسی طرح خروج کے مفاسد سے بچنے کے لئے امارتِ جابرہ کے خلاف بھی خروج نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ چھوٹے منکر کی جگہ بڑے منکر کا خدشہ مول لینے کے مترادف ہے۔ لیکن بذریعہ قوت نہی عن المنکر نہ کرنے کا مطلب حکمرانوں کو کھلا چھوڑ دینے یا ہر درجے میں نہی عن المنکر ترک کر دینے کے مترادف نہیں۔ شیخ عبد المنعم المصطفی حلیم نے ایسے حاکم کی اطاعت کے رویے پر نہایت خوبصورت بات کہی ہے کہ "اس صورتِ حال میں اطاعت سلبی نہیں کہ جس میں نہ تو نیکی کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم اور برائی سے ممانعت ہے اور نہ ہی ظالموں کے سامنے حق کہنا، بلکہ یہ رشد وہدایت اور حکمتوں پر مبنی ایجابی اطاعت ہے جو باطل کے سامنے نہ تو ذلت و رسوائی اور حقارت پر مبنی ہے اور نہ ہی ظالموں کے اثر ورسوخ سے خوف کھانے والی۔ چنانچہ ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کے نمونے ہمارے سلف صالحین کی زندگیوں میں بے شمار ملتے ہیں۔" چنانچہ ائمۂ اسلاف کے ایسے تمام واقعات جن میں ملوک کے خلاف خروج سے ہاتھ روکنے کو کہا گیا، ان کا تعلق اسی قبیل سے ہے، اور عقل کا تقاضا بھی ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا ہی ہے۔ یعنی جب نظامِ اطاعت بحیثیتِ مجموعی اسلامی بنیاد پر قائم ہو، اسلامی علوم (قرآن وحدیث اور فقہ وعقیدہ) کی بالادستی قائم ہو، ریاستی ادارے معاشرے میں اسلامی احکامات کے مطابق کام کر رہے ہوں، عدالتیں فقہ اسلامی کی بنیاد پر فیصلے کر رہی ہوں وغیرہ تو ایسے حالات میں قرین قیاس بات یہی ہے کہ خروج سے احتراز برتا جائے کیونکہ اس طریقے سے ایک بڑے خیر (یعنی نظم اطاعت اسلامی) کے بکھر جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا خروج کی حکمتِ عملی سے اغماض کرتے ہوئے کم تر شر کو قبول کیا جانا چاہئے۔

③ مسئلہ خروج میں اختلاف اس مرحلے پر ہوتا ہے جب امارتِ ضالہ کے خلاف خروج درپیش ہو۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت کی ایک بڑی تعداد کے خیال میں ایسے حاکم کے خلاف بھی خروج نہیں کرنا چاہئے جس کی وجہ ان کے نزدیک مسلمانوں میں دنگا وفساد، کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی شان وشوکت کم ہو جانے کا خوف نیز بہت سے مصالح دینیہ کا فوت ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ خروج کے خلاف ان علما کے فتوے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے نزدیک خروج سرے سے شرعاً جائز ہے ہی نہیں، بلکہ اس رویے کی وجہ درج بالا حکمتیں ہیں۔

④ جس طرح علما کی ایک بڑی تعداد بوجہ فروغِ فسادِ امارتِ ضالہ کے خلاف خروج کرنے کی مخالف رہی ہے بالکل اسی طرح کئی جید علمائے کرام جن کے سرخیل امام ابوحنیفہ ہیں ان کے خیال میں خروج جائز ہے کیوں کہ مسلمانوں پر شریعتِ اسلامی قائم کرنا اور فاسق امام کی جگہ امام عادل کے قیام کی جدوجہد ضروری ہے۔ اس مقدمے کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱) قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾[1] یعنی "طاغوت سے الگ ہو جاؤ۔" علمائے تفسیر[2] نے صراحت کی ہے کہ طاغوت سے مراد اللہ کے دین کے مقابلے میں اطاعت کرانے والا بھی ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست چونکہ طاغوت ہے لہٰذا یہ الجماعۃ کا مصداق کیسے ہو سکتی ہے جبکہ

---

۱ سورۃ النحل: ۳۶

۲ مثلاً دیکھیے تفسیر ابن جریر سورۃ بقرہ ۲۵۶، ابن کثیر، سورۃ النساء۔ ماضی قریب کے تقریباً تمام روایت پسند مکاتب فکر کے مفسرین نے اس سے یہی مراد لیا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طاغوت سے بچنے والوں کو قرآن خوشخبری سنا رہا ہے۔[1] ساتھ ہی انہیں سیدھے و مضبوط راستے کا مژدہ سنا رہا ہے۔[2] اور طاغوت کی اطاعت کرنے والوں کو لعنتی، شیطان کے ساتھی اور بدترین لوگ قرار دیا گیا ہے۔[3]

۲) قرآن میں ارشاد ہوا: ﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ﴾[4] "ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقوے کے کاموں میں اور مدد مت کرو گناہ اور زیادتی کے معاملات میں۔" معلوم ہوا کہ گناہ و عدوان پر مبنی اور انہیں فروغ دینے والی ریاست (مثلاً جمہوری ریاست) کے ساتھ تعاون جائز نہیں، اور ایسی ریاست کی برضا و رغبت اطاعت کرنا در حقیقت اس کی مدد کرنے ہی کی ایک صورت ہے۔

۳) اہل ایمان کی امامت کا حقدار کون ہے؟ اس ضمن میں ارشاد ہوا: ﴿ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴾[5] "اللہ نے (جب ابراہیم سے) کہا کہ بے شک میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں (تو ابراہیم نے) عرض کی: کیا میری اولاد سے بھی؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں۔" امام جصاص، امام رازی اور امام قرطبی رحمہم اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ظالم اُصولاً منصب امامت کا حقدار ہے ہی نہیں۔

۴) اس ضمن میں مزید ارشاد ہوا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ﴾[6] "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہیں سپرد کرو جو اس کے حقدار ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ منصب امامت ایسے شخص کو دینا چاہئے جو اس کا اہل ہے یعنی اس کی شرائط پوری کرتا ہو۔"

۵) ﴿ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾[7] "(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ) تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل (یعنی شریعت) کی بنیاد پر کرو۔" نیز اسی طرح فرمایا گیا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ ﴾[8] "اے ایمان والو! عدل پر مضبوطی سے قائم رہنے والے بن جاؤ۔"

---

۱ سورۃ الزمر: ۱۷
۲ سورۃ البقرۃ: ۲۵۶
۳ سورۃ النساء: ۵۱، ۵۲، ۷۶؛ سورۃ المائدۃ: ۶۰
۴ المائدۃ: ۲
۵ البقرۃ: ۱۲۴
۶ النساء: ۵۸
۷ سورۃ النساء: ۵۸
۸ النساء: ۱۳۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶) ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾[1] "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔" اولی الامر سے قبل 'اطیعوا' کا لفظ نہ آنے سے معلوم ہوا کہ اطاعتِ امیر مستقل بالذات نہیں بلکہ درحقیقت اطاعتِ شارع سے مشروع ہے، اگر وہ اس کے خلاف ورزی کرے تو اس کی اطاعت ضروری نہیں۔

۶) حدیث شریف میں اُصول بیان ہوا: «لا طاعة لمخلوق في معصية الله»[2] یعنی "اللہ کی نافرمانی کے معاملے میں کسی مخلوق کی اطاعت معتبر نہیں۔" نیز فرمایا «لا طاعة لمن لم يطع الله»[3] یعنی جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتا اس کی کوئی اطاعت نہیں۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا: ﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾[4] "اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے۔" نیز ﴿ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ ﴾[5] "حد سے گزرنے والوں کے حکم کی پیروی مت کرو۔ یہ وہ ہیں جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔"

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ امیر کی اطاعت اطاعتِ شارع سے مشروط ہے، فسق و فجور اور نظام باطل برپا کرنے والوں کی اطاعت جائز نہیں، نیز مسلمانوں پر عدل و قسط پر قائم رہنا لازم ہے۔

۷) ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا: «ستكون أمراء فتعرفون وتنكرون فمن عرف برئ ومن أنكر سلم ولكن رضي و تابع قالوا: أفلا نقاتلهم قال :لا ما صلّوا»[6] "عنقریب ایسے حکمران ہوں گے جنہیں تم پہچانتے ہو گے اور ان کا انکار کرو گے، پس جس کسی نے ان (کی حقیقت) کو پہچان لیا وہ بری ہو گا، جس کسی نے برملا انکا انکار کیا وہ تو سلامتی کے راستے پر ہو گا سوائے اس کے جو اُن پر راضی ہو گیا اور ان کی اطاعت کرنے لگا (یعنی نہ وہ بری ہے اور نہ سلامتی کے راستے پر)۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ایسے اُمرا کے خلاف ہمیں قتال نہیں کر لینا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک وہ نماز ادا کرتے رہیں، ایسا مت کرنا۔" اس حدیث سے پتہ چلا کہ فاسق حکمرانوں کی اطاعت کی کم از کم شرط یہ ہے کہ وہ نظامِ صلوۃ قائم رکھیں (یعنی خود بھی ادا کریں، اس کی ادائیگی کا اہتمام کریں نیز رعایا کو بھی اس کا حکم دیں)۔ اس حدیث میں لفظ

---

۱ النساء:۵۹
۲ متفق علیہ
۳ فتح الباری، کتاب الاحکام
۴ الکہف:۲۸
۵ الشعراء:۱۵۱۔۱۵۲
۶ صحیح مسلم:۱۸۵۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'قتال' یہ واضح کر رہا ہے کہ اس شرط کی عدم موجودگی میں محض احتجاج (منازعت) نہیں بلکہ 'مسلح جدوجہد' کی اُصولی اجازت بھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایسی احادیث ہیں جن سے حکمرانوں کے خلاف بذریعہ قوت نہی عن المنکر پر استدلال ہوتا ہے۔

اس حدیث پر گفتگو فرماتے ہوئے کچھ حضرات نے یہ نکتہ پیش کیا کہ چونکہ قرونِ اولیٰ میں نماز ان معنی میں شعائر اسلام سمجھی جاتی تھی کہ ہر کوئی نماز پڑھتا تھا لہٰذا اس کی عدم ادائیگی پر خروج کی اجازت دی گئی لیکن چونکہ آج کے دور میں اکثریت بے نمازیوں کی ہے لہٰذا آج یہ اس طور پر شعائر اسلام نہیں رہی، اس لئے آج ترکِ صلوۃ پر خروج جائز نہ ہوگا۔ ہم اس تاویل کا سر اور پیر دونوں ہی تلاش کرنے سے قاصر ہیں، اہل علم خود ہی اس تاویل کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ حدیث شریف کا مدعا یہ بتانا ہے کہ اقامتِ صلوۃ ہر دور کے لئے حقیقی اسلام کے اظہار کا کم سے کم درجہ ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے وہ پیمانہ بتا دیا جس میں تول کر فیصلے کئے جاسکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ مؤمن اور کافر میں فرق کرنے والی شے نماز ہے۔ اس نکتہ شناسی کا مطلب تو یہ ہوا کہ شعائر اسلام کا تعین قرآن وسنت کی نصوص سے نہیں بلکہ فاسق مسلم اکثریت کے اعمال سے ہونا چاہئے۔

۸) پھر خیر القرون میں خروج کی سب سے اعلیٰ نظیر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور سیدنا حسینؓ کے طرزِ عمل میں نظر آتی ہے جس کا مقصد اسلامی خلافت و ریاست کو امارت و سلطنت کے بجائے خلافتِ راشدہ کی طرف پلٹا دینے کی جدوجہد کرنا تھا، دوسرے لفظوں میں ان اصحاب کی جدوجہد اختیارِ عزیمت کی اعلیٰ مثال ہے جسے علمائے اہل سنت نے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ ان دونوں حضرات کی نظیر اہل سنت والجماعت کے نزدیک اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کا نفس زکیہ وغیرہ کے خروج کا ساتھ دینا بھی اہل علم کو خوب اچھی طرح معلوم ہے۔

۹) اسی طرح متعدد قواعد فقہ سے بھی خروج پر استدلال ہوتا ہے، مثلاً إن الضرر يُزال، یعنی نقصان کا ازالہ کیا جانا ضروری ہے، نیز إزالة الضرر الأكبر بالضرر الأصغر یعنی بڑے نقصان کا ازالہ نسبتاً کم تر نقصان سے کیا جائے گا... وغیرہم

☜ خروج کی اجازت دینے والے علما کے نزدیک بھی اس کی اجازت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

اوّل: خروج تب کیا جائے جب بگاڑ بڑی نوعیت کا ہو، یعنی جب حکمران کھلے بندوں واضح احکامات شریعہ کی دھجیاں بکھیرنے لگیں، اسلامی نظام اطاعت معطل ہو کر غیر اسلامی نظام اطاعت غالب آچکا ہو۔ دوسرے لفظوں میں خروجِ امارۃ ضالہ و کفر کے خلاف کرنا چاہئے۔ فقہائے کرام نے جواز خروج کی جس شرط پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ شریعتِ اسلامی کا معطل ہو جانا ہی ہے:

◉ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"تین چیزوں سے دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل ہو جاتا ہے، اہل شرک کے احکام کے اجرا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے، اس شہر کے دارالحرب سے متصل ہونے سے، امن اسلام کے خاتمے سے۔"[1]

◉ امام یوسف و محمد کے نزدیک کسی علاقے میں مذکورہ اُمور میں سے صرف کفریہ احکامات کا اجرا ہی اسے دارالحرب بنانے کے لئے کافی ہے۔

◉ امام سرخسی فرماتے ہیں: "احکام اسلام کے اجرا کے بغیر دارالحرب دارالاسلام میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔"[2]

◉ علامہ علاؤ الدین کاسانی فرماتے ہیں: "ہمارے علما میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ دارالکفر اسلامی احکامات ظاہر ہونے سے دارالاسلام میں تبدیل ہوتا ہے۔"[3]

◉ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: "اگر کوئی ایسا شخص حکمران بن جائے جس میں تمام شروط نہ پائی جائیں تو اس کی مخالفت میں جلدی نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ اس کی مخالفت سے ملک میں لڑائی جھگڑے اور فساد پیدا ہوں گے... لیکن اگر حکمران کسی اہم دینی امر کی مخالفت کرے تو اس کے خلاف قتال جائز بلکہ واجب ہو گا، اس لئے کہ اب اس نے اپنی افادیت ختم کر دی اور قوم کے لئے مزید فساد و بگاڑ کا سبب بن رہا ہے لہٰذا اس کے خلاف قتال جہاد فی سبیل اللہ کہلائے گا۔"[4]

◉ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "جب دین (نظم اطاعت) غیر اللہ کے لئے ہو جائے تو قتال واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ جو لوگ اسلام کے واضح و متواتر احکامات و قوانین کی پابندی نہیں کرتے ان سے قتال کے واجب ہونے پر میں علمائے اسلام میں کوئی اختلاف نہیں جانتا۔"[5]

دوم: حالات اتنے ساز گار اور قوت اتنی ہو کہ خروج کی صورت میں کامیابی کے امکانات روشن ہوں۔ کامیابی کے امکانات اور تیاری کے مراحل بہر حال اجتہادی مسائل ہیں کیونکہ نہ تو حالات ہی ہمیشہ یکساں کیفیت کے ہوتے ہیں اور نہ تیاری کے لگے بندھے اُصول ہیں بلکہ تیاری کی کیفیت و مراحل کو در پیش حالات پر منطبق کرنے کے نتیجے میں ایک حکمتِ عملی وضع کرنا ہوتی ہے جس کی نوعیت ہمیشہ مختلف ہوا کرتی ہے۔ البتہ جدوجہد کے متوقع نتائج کے اعتبار سے علامہ ابن قیم کی بات بہت خوبصورت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انکارِ منکر کے چار درجات ہیں:

۱) ایک منکر ختم ہو جائے اور اس کی جگہ معروف قائم ہو جائے، ایسا کرنا مشروع ہے۔

۲) ایک منکر کم ہو جائے اگرچہ ختم نہ ہو، یہ بھی مشروع ہے۔

---

۱ فتاویٰ شامی: جلد ۴

۲ المبسوط: جلد ۱۰

۳ بدائع الصنائع: جلد ۷

۴ حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۳۹۹

۵ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/ ۵۰۲ تا ۵۱۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳) ایک منکر ختم ہو جائے مگر اس کی جگہ ویسا ہی منکر قائم ہو جائے، یہ اجتہادی مسئلہ ہے (کہ آیا واقعی اسی درجے کا دوسرا منکر آجائے گا یا نہیں)؟

۴) ایک منکر ختم ہو جائے مگر اس کی جگہ اس سے بھی بڑا منکر قائم ہو جائے، ایسا کرنا حرام ہے۔

⑤ رہی یہ بات کہ جب بذریعہ قوت خروج کی استطاعت نہ ہو تو کیا کیا جائے تو اس کا جواب یہ نہیں کہ اس جدوجہد کو روزِ محشر تک کے لئے خیر آباد کہہ دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ مناسب تیاری کی جائے یعنی ایسی صورت میں خروج کی تیاری کرنا لازم ہے کیونکہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوا کرتا ہے۔

شیخ عبد المنعم المصطفی حلیم فرماتے ہیں کہ اس تیاری کی کئی صورتیں اور درجے ممکن ہیں:

① حسبِ استطاعت فکری و عملی تیاری کرنا تاکہ ایک طرف خروج کے لئے ذہن سازی ہو سکے تو دوسری طرف متبادل اداراتی صف بندی کی کوشش کی جاسکے تاکہ قوت کو موجودہ اداروں و افراد سے چھین کر (یعنی ان کا اقتدار معطل کر کے) متبادل اداروں و افراد میں مجتمع کر دیا جائے تاکہ خروج کے لئے راہ ہموار ہو اور اُمتِ مسلمہ کو باطل کے غلبے سے نجات ملے۔

② حکمرانوں سے علیحدگی اختیار کر کے نظامِ باطل کی مضبوطی کا باعث نہ بننا۔ یعنی ایسے اُمور ترک کر دیئے جائیں جن سے ان کی سلطنت مضبوط ہو یا ملک پر ان کا اثر و رسوخ بڑھے۔ اس کی اعلیٰ مثال امام ابو حنیفہ یا دیگر ائمہ اسلاف کی زندگی میں نظر آتی ہے جنہوں نے باوجود سرکاری جبر کے منصور کی سلطنت میں قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کیا۔

③ ان کے آئین و باطل قوانین کو برضا و رغبت تسلیم نہ کیا جائے اور نہ ہی ایسی بات کی جائے جو اعترافِ حاکمیت یا قبولیتِ نظام کا فائدہ دے اور اگر کچھ لوگ متفق ہو کر اُن سے علیحدہ ہونے اور ان کے خلاف تیاری کرنے کے رویے کو اپنائیں تو ان کا فکری و عملی سطح پر ساتھ دینا چاہئے تاکہ باطل نظامِ اقتدار کمزور ہو اور اس سے نجات مل سکے۔

یاد رہے کہ باطل نظامِ اقتدار پر مطمئن رہنا در حقیقت اس سے رضامندی کی علامت ہے کیونکہ اقتدار کے معاملے میں لاتعلقی یا نیوٹرل رویے کی کوئی حقیقت نہیں، یعنی یا تو آپ کسی نظامِ اقتدار کے خلاف ہوتے ہیں یا اس کے حق میں، ان کے درمیان کوئی راستہ موجود نہیں۔

خلاصۂ بحث: اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ

① ایسی احادیث جن میں خروج سے منع فرمایا گیا ہے، ان کا تعلق یا تو انفرادی و شخصی حقوق سے ہے یعنی اگر حکمران ذاتی طور پر تم پر ظلم کر رہا ہو مگر ریاست کی بنیاد شریعت ہو تو تم صبر کرو اور اجتماعیت کو نقصان نہ پہنچاؤ اور یا پھر ان کا تعلق حکمران کی انفرادی برائیوں سے ہے۔ اس استدلال کا قرینہ اس حدیث میں موجود ہے:

"حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا تو ہم نے آپ کی بیعت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلی، آپ نے بیعت کے لئے جو شرطیں لگائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ ہم اپنے امیر کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، خوشی کی حالت میں بھی اور ناخوشی کی حالت میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، اور اس حالت میں بھی کہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور یہ کہ ہم والیانِ اُمور سے جھگڑا نہیں کریں گے یہاں تک کہ تم ان میں ایسا کھلا کفر دیکھ لو جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس اللہ (کی کتاب) کی طرف سے کھلی دلیل ہو۔"[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انفرادی حقوق تلفی (مثلاً باوجود اہلیت عہدہ نہ ملنے) کی بنیاد پر اطاعت امیر سے نکلنا جائز نہیں البتہ نظم اجتماعی میں واضح رخنہ اندازی کی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اس قبیل کی دیگر احادیث کو یہ معنی پہنانا کہ دین سے منحرف اور سرمایہ داری کی ایجنٹ ریاست کے ساتھ بھی التزام جماعت تقاضائے شریعت ہے، درحقیقت نصوص میں تضاد پیدا کرنا ہے۔

② اُصولِ حدیث کے مسلمہ اُصول "احادیث ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں۔" کی رو سے ایسی تمام احادیث جن میں اطاعتِ امیر کے لئے اطاعتِ شارع کی شرط لگائی گئی ہے، ان تمام احادیث کی تشریح کرتی ہیں جن میں بظاہر اس قید کا ذکر موجود نہیں۔ چنانچہ امام قرطبی سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۴ کے تحت فرماتے ہیں:

"امام وہ ہوتا ہے جس کا دامن گناہِ کبیرہ سے داغدار نہ ہو، احسان کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور اس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجالانے کی صلاحیت بھی ہو۔ ان خوبیوں والے امام کے متعلق ہی نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اُن سے مت جھگڑو لیکن جو فاسق وفاجر ہوں وہ امامت کے حقدار ہیں ہی نہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو جن آخری باتوں کی وصیت فرمائی، ان میں سے ایک یہ بھی تھی: «ولو استعمل عليكم عبد يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا»[2] "اگر تم پر ایک غلام بھی امیر بنا دیا گیا ہو جو تمہاری امارت اللہ کی کتاب کے مطابق کر رہا ہو تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔"

③ علمائے کرام کے اقوال وافعال میں تطبیق دینے کی صورت یہ ہے کہ اُصولاً خلافِ خروج اقوال کو امارۃِ عادلہ اور جابرہ کے خلاف خروج پر محمول کیا جائے۔

④ اگر علمائے کرام کے خلافِ خروج اقوال کو امارت ضالہ پر بھی محمول کیا جائے تو اس کی وجہ فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے، نہ کہ خروج کا اُصولاً ہر حال میں ناجائز ہونا۔ امارتِ ضالہ کے خلاف خروج کے ان اقوال کا پس منظر یہ ہے کہ گو ان میں گوں نہ گوں برائیاں پائی جاتی ہیں البتہ ان امارتوں کے

---

۱ مسلم کتاب:۱۷۰۹

۲ صحیح مسلم:۱۸۳۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعے اسلامی ریاستی (بشمول تعلیمی، عدالتی، معاشرتی، اداراتی، تعزیری، تبلیغی، جہادی وغیرہم) نظم بہر حال محفوظ اور قائم ودائم ہوتا ہے اور ریاستی نظام بحیثیتِ مجموعی مسلمانوں کو اپنی زندگیاں شارع کی رضا کے مطابق گزارنے سے نہیں روکتا بلکہ اس میں ممد ومددگار ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسی حکومتوں کو بھی بصورتِ عدم دستیابی قوت برداشت کر لیا جائے کہ بصورتِ دیگر خیر کم اور شر زیادہ پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

⑤ البتہ ان اقوالِ فقہا کا تعلق غیر اسلامی ریاستوں کے ساتھ جوڑنا یا تو علمی خیانت ہے اور یا پھر نا سمجھی!

۲) اقوال فقہا کا سیاسی پہلو

حصہ اوّل میں بیان کردہ اُصولی مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ

① عدم خروج کے جو اقوال کتبِ فقہ میں موجود ہیں وہ فاسق حکمران کی موجودگی میں ہی صحیح مگر اسلامی ریاست (نہ کہ محض حکومت) کی موجودگی کو بہر حال فرض (Pre-suppose) کرتے ہیں۔

② لہٰذا علماے متقدمین نے خروج کے خلاف جو فتوے دیئے تھے، اُنہیں موجودہ صورتِ حال پر منطبق کرنا درست نہیں کیونکہ یہاں تو سرے سے وہ اسلامی ریاست ہی مفقود ہے جس کے خلاف خروج پر وہ فتوے دیئے گئے تھے، یعنی جس اسلامی ریاست کے اندر 'فساد کے اندیشے' کی وجہ سے یہ فتوے دیئے گئے، وہ ریاست ہی جب سرے سے مفقود ہے تو ان فتووں کی آڑ میں موجودہ ریاستوں کو تحفظ دینے کا کیا مطلب؟ فقہ اسلامی کے اہم رجحانات پہلی اور دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوئے جب بنواُمیہ اور عباسی خلافتیں قائم تھیں، آج کے دور میں تو مسلمان آبادیوں اور حکمرانوں سب پر طاغوت کا غلبہ ہے لہٰذا ان حالات میں بجائے انقلابی جدوجہد کی ضرورت کا دفاع کرنے کے اُنہیں غلط طور پر اِن اُصولوں پر منطبق کرنے کی کوشش کرنا جو فقہاے کرام نے 'خلافتِ اسلامیہ' کے تناظر میں مرتب کئے تھے، قیاس مع الفارق ہے۔ پس فقہاے کرام کے اقوال منکرین خروج کے حق میں دلیل بننے سے قاصر ہیں، اگر وہ واقعی اپنے حق میں کوئی دلیل پیش کرنا چاہتے ہیں تو فقہاے کرام کے ایسے اقوال پیش کریں جن کے مطابق 'غیر اسلامی ریاست کے خلاف ہر حال میں جہاد (خروج) کرنا ناجائز قرار دیا گیا ہو۔' اگر ایسا کوئی قول ہے تو برائے مہربانی پیش کیا جانا چاہئے کیونکہ موجودہ ریاستوں کے تناظر میں خلاف خروج اقوال پیش کرنا ظلم (وضع الشيء في غير محله) کا مصداق ہے کہ یہ تمام اقوال تو 'اسلامی ریاست' نہ کہ 'غیر اسلامی ریاست' کے پس منظر میں نقل ہوئے ہیں۔ پس موجودہ حکومتوں کے خلاف انقلابی جدوجہد کو خروج کہنا ایک کمتر اور نسبتاً کمزور دلیل سے اس کا جواز فراہم کرنا ہے کیونکہ اس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے زیادہ مناسب اور بہتر علمی اصطلاح جہاد ہونی چاہئے۔[1] فقہ اسلامی میں خروج سے مراد 'اسلامی ریاست' کی اصلاح کے لئے اسلامی حکومت کے خلاف بذریعہ قوت جدوجہد کرنا ہے۔ خروج بطورِ حکمتِ عملی تب محل بحث ہو سکتی ہے جب اسلامی ریاست موجود ہو۔ البتہ جب اسلامی ریاست سرے سے موجود ہی نہ ہو تو ایسے حالات میں ریاست کے خلاف بذریعہ قوت کی جانے جدوجہد خروج نہیں بلکہ اصطلاحاً جہاد کہلاتی ہے (جیسے تاتاری حکومت کے خلاف برپا کی گئی اسلامی جدوجہد)۔ دوسرے لفظوں میں تصورِ خروج خلافتِ اسلامی کی موجودگی کو فرض کرتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں جو شے مدارِ بحث ہونی چاہئے وہ خروج سے آگے بڑھ کر جہاد ہونی چاہئے۔ یہ بات درست ہے کہ فاسق و فاجر اسلامی حکومت کے خلاف جائز خروج بھی معناً جہاد کے زمرے میں شمار ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث شریف میں بیان ہوا "جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا بہترین جہاد ہے"، نیز تفسیر جصاص میں نفس زکیہ کے خروج کے حق میں امام ابو حنیفہ کا قول منقول ہے کہ آپ نے اسے کفار کے خلاف جہاد سے افضل قرار دیا)، البتہ یہاں بات اصطلاح کی ہو رہی ہے۔ یہ فرق بالکل ایسا ہے جیسے لفظ 'حد' بطورِ فقہی اصطلاح اور بطورِ قرآنی اصطلاح میں معنوی فرق ہے۔ پس دورِ جدید میں خروج کی بحث اُٹھانے والے حضرات پر درحقیقت موجودہ مسلم ریاستوں کی اصل حقیقت ہی واضح نہ ہو سکی۔

جمہوریت کی درج بالا مثال پر قیاس کرتے ہوئے چند اہم باتوں کو بھی سمجھا جا سکتا ہے:

③ اسلامی خلافت بھی محض تبدیلی حکومت کے مخصوص نظام (شوریٰ کے مشورے سے خلیفہ کے تعین) کا نام نہیں بلکہ یہ بھی ایک مکمل نظم اطاعت ہے، لہٰذا کسی ایک ادارے (انتقال اقتدار) کے کرپٹ ہو جانے سے پورا اسلامی نظام ختم نہیں ہو جاتا۔ دورِ ملوکیت میں جو بنیادی ادارتی خرابی پیدا ہوئی، وہ یہ تھی کہ 'اہل الرائے' کے مشورے سے خلیفہ کی نامزدگی کا نظام ختم ہو گیا اور ریاست و حکومت کے اس فرق کو نہ پہچاننے کی وجہ سے خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی نظام اقتدار میں آنے والی جزوی تبدیلی (اہل الرائے کے مشورے سے خلیفہ کے تعین) کو جدید مفکرین نے بذاتِ خود اسلامی ریاست کی تبدیلی پر محمول کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاے کرام نے بادشاہوں کے فسق کے باوجود خروج سے منع فرمایا ہے کہ ان انفرادی خرابیوں کے باوجود ریاستی نظام بحیثیتِ مجموعی اسلامی تھا اور خروج کے نتیجے میں نظم اطاعت کو خطرہ ہو سکتا تھا۔

④ یہاں سے یہ بات بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ خروج کا وقت اجتہادی مسئلہ کیوں ہے؟ جیسا کہ واضح کیا

[1] البتہ مسلمانوں کے فرق کے بنا پر دونوں فقہی معاملات میں یقینی فرق کیا جائے گا، مثلاً یہ کہ مسلمانوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی ان کے اموال کو مالِ غنیمت سمجھا جائے گا۔ وغیرہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا کہ ریاست درحقیقت ایک پیچیدہ ساخت ہوتی ہے جس کا مقصد مخصوص علمیت وعقلیت کے مطابق احکامات کا صدور و نفاذ کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کہ آیا نظام اطاعت میں کتنی تبدیلی کے بعد نظام اطاعت کی 'بنیاد' تبدیل ہوگئی ہے اور اب خروج (بذریعہ قوتِ اصلاح) کے لئے نکلنا ضروری ہوگیا، ایک مشکل امر ہوتا ہے اور لامحالہ ایک مجتہد فی مسئلہ ہے۔ خروج کا وقت طے کرنے کا مسئلہ محض فقہاے اسلام ہی نہیں بلکہ جمہوری مفکرین کے لئے بھی ایک خاصا مشکل امر ہے۔ ان مفکرین کے نزدیک جمہوری انقلاب برپا کرنے کیلئے تو ہر قسم کی جدوجہد (بشمول مسلح جدوجہد) جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمہوریت تو عقل وفطرت کا تقاضا ہے، البتہ جمہوریت کے خلاف کوئی انقلابی جدوجہد جائز نہیں، لیکن یہ طے کرنا کہ کب اور کہاں آمرانہ جمہوری ریاست بنانے کا وقت آگیا ہے، ایک مشکل فیصلہ ہوتا ہے جس کے ضمن میں یہ مفکرین ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں (مثلاً کچھ امریکی مفکرین کا خیال ہے کہ عرب دنیا یا پاکستان میں آمرانہ حکومتوں کا ساتھ دینے سے امریکہ کی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے جبکہ کچھ کے خیال میں حالات کی روشنی میں ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے)

⑤ اسی طرح یہ بھی واضح ہوگیا کہ موجودہ دور کی مسلم ریاستوں کو فقہا کے اقوال کی روشنی میں جانچتے وقت یہ بات ملحوظِ خاطر رہنا چاہئے کہ تقریباً تمام ہی مسلم ریاستیں یا تو لبرل یا آمرانہ جمہوری نظم کے تحت کام کر رہی ہیں اور جن کا اسلامی نظم اطاعت سے دور دور کا کوئی واسطہ نہیں۔ لہٰذا ان ریاستوں کو غلط طور پر اسلامی فرض کرکے اُنہیں ان اقوال کی روشنی میں خروج سے پناہ دینا قیاس مع الفارق ہے۔ پس ائمہ سلف رحمہم اللہ کے فتاوی کو ان کے پورے محل سے کاٹ کر الگ اور بے محل پیش کرنے کے بجائے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ یہ فتویٰ کن حالات اور کن اُمور کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا گیا تھا۔ [حصہ سوم اور چہارم آئندہ شمارہ میں]

حیاتِ لکھوی

حضرت مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ کے بارے میں ایک کتاب 'حیاتِ لکھوی' مرتب کی جارہی ہے۔ جن حضرات کو اُن کے بارے میں کچھ بھی معلوم ہو مثلاً تقاریر، تصاویر، سیاسی ومعاشرتی، مشاہدات اور واقعات تو اُن سے اوّلین فرصت میں ان یادداشتوں کو ارسال فرمانے کی گذارش ہے۔

ان کے شاگرد، معتقدین، مریدین فوری طور پر اپنی نگارشات اور تاثرات بہم پہنچائیں۔ شکریہ!

محمد موسیٰ ایم۔اے ۳۲/ایکس، گلی نمبر ۱، گورنمنٹ کالونی، اوکاڑہ 0345-7496925

mmusa295@yahoo.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾

ابو فہیم اور شبیر احمد اختر

اَنفس و آفاق میں آیاتِ الٰہیہ

اللہ کی بہترین تخلیق...انسان

اس کائنات میں سب سے بڑی حقیقت اور خالق کائنات کا شاہکار خود انسان کا اپنا وجود ہے جو اپنے جسم و جثہ کے اعتبار سے گو بہت بڑا نہیں مگر اس کی ساخت پر غور کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس جیسی یا اس کے قریب کوئی مشین آج تک کوئی بنا سکا، نہ بنا سکے گا۔ پھر اربوں انسانوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بالکل کاپی نہیں ہوتا۔ ایک عجیب و غریب اور وسیع و عریض کائنات کو اس میں سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے جسے انسان خود سمجھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے لیکن پوری طرح آج تک نہیں سمجھ سکا۔

جسم انسانی چھوٹے چھوٹے خلیات سے مل کر بنتا ہے۔ ایک اوسط قد و قامت کے انسانی جسم میں ان خلیات کی تعداد ایک کروڑ ارب کے قریب بتائی جاتی ہے۔ ایک ہی خلیے سے یہ تمام اربوں، کھربوں خلیے بنے ہیں۔ کروڑوں خلئے (Cell) روزانہ ختم ہوتے رہتے ہیں اور دوسرے خلیے اُسی وقت ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اندازہ ہے کہ ہر سیکنڈ میں خون کے دس لاکھ سرخ خلیات ختم ہو جاتے ہیں اور اِسی تعداد میں نئے خلیات جنم لیتے ہیں۔ جسم انسانی میں بے شمار انواع و اقسام کے ان کھربوں خلیات کا آپس میں اتنا اشتراکِ عمل ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کام بڑی ذمہ داری اور صحت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ ہر خلیہ اپنے فرضِ منصبی کو جانتا ہے کہ کس طرح اس سارے بدن کی بہتری اور اچھائی کے لئے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔

یہ انسانی خلیے ایک فصیل بند شہر کی طرح ہیں۔ اِس کی توانائی کی ضروریات پوری کرنے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے بجلی گھروں کی طرح جنریٹر کام کرتے ہیں۔ اس کی فیکٹریوں میں لحمیات (پروٹین) تیار ہوتے ہیں۔ اس تیار شدہ سامان یعنی کیمیاوی اجزا کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے کے لئے ایک مواصلاتی نظام بھی ہے جو خطرہ یا گزند پہنچنے پر اس کے سدِباب کے لئے دفاعی اقدامات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں نازک خلیے بھی ہیں جن کی جسامت ملی میٹر ۱۰ الاکھویں حصے کے برابر ہے۔ پہلے تحقیق ہوا تھا کہ ۷ سال میں اوّل خلیے ختم ہو کر دوسرے خلیے پیدا ہو جاتے ہیں، اب معلوم ہوا ہے کہ ہر گیارہ مہینے بعد کھربوں خلیوں پر مشتمل یہ پورے کا پورا نظام بدل جاتا ہے۔

بات صرف خلیوں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ خود خلیوں کے اندر پورا نظامِ حیات ہے جسے سائنس نے پچھلے ۳۵ سالوں میں ڈھونڈھ نکالا ہے اور جس کے نتیجہ میں جینیات Genetics کی ایک پوری نئی سائنس اُبھر کر سامنے آگئی ہے۔ دادا، پردادا، نانا، پرنانا اور ماں باپ کے یہی 'جین' بچے میں منتقل ہوتے ہیں تو وہ کالا یا گورا ہوتا ہے، اس کی آنکھیں نیلی یا بھوری یا سیاہ ہوتی ہیں اور اُس کے بال کالے، بھورے یا سنہری ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ اثرات بچے تک اِس کے کئی پشتوں کے جین لاتے ہیں۔ ساری خصوصیات ان ہزار جین کے اندر پنہاں ہوتی ہے جو ایک خلیہ اپنے اندر چھپائے ہوتا ہے۔ ان جین سے پروٹین کی خصوصی قسم پیدا کرنے میں مدد بھی ملتی ہے جو جسم کے خصوصی افعال کیلئے ضروری ہے۔

جین اصل میں ایک عجیب و غریب کیمیاوی سالمے Molecules سے ترتیب پاتے ہیں جو کچھ اس شکل کے لمبے سالمے ہوتے ہیں جیسے دو کیچوے ایک دوسرے میں سلی کے دھاگے کی طرح لپٹ گئے ہیں۔ ہر جانور، انسان یا پودے کی تمام ممکنات اس دھاگے کے اندر سمائی Coded ہوتی ہے۔ اس کیمیاوی سالمے کو DNA کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس کو زندگی کا دھاگا کہنا موزوں ہو گا۔ اس کے اربوں یونٹ ایک خلیے میں موجود ہوتے ہیں۔ DNA نہ صرف نسل اور جینیات کی کنجی ہے بلکہ یہی وہ قوت ہے جو خلیے اور جینیات دونوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہر فرد کی شخصیت کی پوری خصوصیات پہلے ہی سے DNA کی ٹیپ میں ریکارڈ ہوتی ہیں جس کی تفصیلات اگر تحریر میں لائی جائیں تو بڑے سائز کے ایک لاکھ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفحات میں سمائیں۔ DNA جس کو دیکھنے کے لئے ایک چھوٹی خرد بین کام نہیں کر سکتی، اس میں معلومات و ہدایات کا اتنا عظیم ذخیرہ محفوظ کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا وہ عظیم کرشمہ ہے جس کے علم کے بعد اسکی نقل میں آج سائنسدان ماچس کے برابر ایسا بلوریں کمپیوٹر تیار کرنے کی کوشش میں لگ گئے ہیں جس میں کروڑوں کتابوں کا مضمون ذخیرہ کیا جا سکے۔

جسم انسانی کے جملہ عجائبات کا بیان تو ناممکن ہے، چند حیران کن حقائق درج ذیل ہیں:

آپ کو پڑھ کر تعجب ہو گا کہ انسانی دماغ میں ۲۵ ارب سے زیادہ نیورون ہوتے ہیں۔ یہ اپنا کام ہمہ وقت کرتے ہیں حتیٰ کہ نیند کے دوران بھی اُن کا کام اس طرح جاری رہتا ہے۔ ساری دنیا کا ٹیلیفون نظام بھی اس کے برابر کام نہیں کر سکتا۔ ذرا آگے بڑھئے اور قلب کو دیکھئے جو خود تو چھوٹا سا ہوتا ہے یعنی اندازاً نصف پونڈ کے برابر لیکن اس میں دو پمپ ہوتے ہیں۔ ایک پھیپھڑوں کو خون کی ترسیل کے لئے تاکہ وہاں سے آکسیجن جذب کر سکے۔ دوسرا اس صاف شدہ خون کو سارے بدن میں دوڑانے کے لئے۔ ایک آدمی کی اوسط زندگی میں دل ۳ لاکھ ٹن خون پمپ کرتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ اپنی بجلی بھی خود ہی پیدا کرتا ہے۔ ایک آدمی ستر سال زندہ رہے تو دل ۴ کھرب دفعہ دھڑکتا ہے۔

اسی طرح ایک آدمی کی اوسط زندگی میں پھیپھڑے کئی کروڑ مرتبہ پھولتے اور سکڑتے ہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی کوئی مشین نہ ایسی مشقت برداشت کر سکتی ہے اور نہ ہی بغیر مرمت اتنے لمبے عرصے تک اپنا کام جاری رکھ سکتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، انسانی آنکھ میں ایک کھرب سے زیادہ روشنی قبول کرنے والے ریشے ہوتے ہیں۔ یہ تعداد ان ستاروں کے برابر ہے جو 'ملکی وے' نامی کہکشاں میں بتائے جاتے ہیں۔ انسانی بدن میں خون کی شریانوں کو اگر ناپا جائے تو ان کی لمبائی ساٹھ ہزار سے ایک لاکھ میل لمبی ریلوے لائن کے برابر نکلے گی۔

انسانی جسم ۳۰ کروڑ کیمیاوی اجزا پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ اگر آپ ان اعداد و شمار پر مشتمل اجزا کو لفظوں میں لکھنا چاہیں تو اس سے دس ہزار ضخیم کتابوں کی ایک لائبریری بن جائے گی اور اگر اس کی تفصیل لکھنا چاہیں تو یہ بہت مشکل کام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گا، کیونکہ انسانی عقل جسم انسانی کے میکانکی نظام کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ سائنس نے ہماری عقل و دانش اور علم کو بڑھانے میں بہت کچھ کیا ہے لیکن کیا کوئی سائنس دان یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے انسان کی ابتدا یا اصل انواع کا کھوج لگا لیا ہے؟ ہرگز نہیں!

مختصر سی یہ چند حیرت انگیز باتیں انسانی جسم کے بارے میں ہیں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ انسان کی نفسیاتی کیفیت کا اس کے جسمانی نظام پر بھی انتہائی حیران کن اثر مرتب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اچانک کسی وجہ سے اگر کسی پر خوف طاری ہو جائے تو گردوں کے سرے پر موجود دو غدودوں سے 'ایڈرے نیلن' نام کا ایک رَس کثرت اور تیزی سے پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ رَس خون میں شامل ہو کر پورے جسم میں پھیل جاتا ہے اور جسم کو اس کے مناسب مقابلے کے لئے تیار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ جسم کے بعض وہ افعال جن کی ضرورت نہیں، خود بخود معطل ہو جاتے ہیں اور ان کی طرف جانے والا خون بھی اعضاے رئیسہ کی جانب رواں ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں نظامِ انہضام بھی موقوف ہو جاتا ہے اور جلد کی جانب خون پہنچانے والی رگیں بھی بند ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے جلد پیلی پڑ جاتی ہے۔ اسی جوش کی وجہ سے جگر سے شکر کے ذخیرے حرکت میں آ کر خون کو زیادہ توانا بنا دیتے ہیں۔ سانس اور نبض تیز ہو جاتی ہے، خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور خون میں جمنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے تاکہ چوٹ لگنے کی صورت میں خون زیادہ ضائع نہ ہو اور یہ ساری تبدیلیاں چند لمحات میں واقع ہو جاتی ہیں جبکہ خوف دور ہو جانے کی صورت میں جسم دوبارہ اپنے معمول کی حالت میں واپس آ کر اپنے کام شروع کر دیتا ہے۔

یہ سب مثالیں زندگی میں نظامِ قدرت کی کرشمہ کاریوں کی ہلکی سی جھلکیاں ہیں۔ اگر ہم صرف اسی مکمل نظام پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عظمت و شان نظر آتی ہے اور اس نظام کی باریکی اور پختگی کا قدرے اندازہ ہوتا ہے۔ خود انسان کا اپنا جسم اور اس کے اندر کی مشین ہی خداے علیم و خبیر کی قدرت، حکمت اور خلاقی کی روشن دلیل ہے۔ ہم جتنا اپنے جسم کے خلیات اور جینیات کے ضمن میں ان معلومات اور دریافتوں پر غور و فکر کرتے ہیں اتنا ہی ہمیں اپنے خالق کی بے پایاں قدرت کا یقین مستحکم حاصل ہوتا ہے اور اسی سے ہم اللہ کو پہچان سکتے ہیں اور اُس کی ہستی پر صحیح ایمان لا سکتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی تخلیق کائنات: اللہ اکبر!

ہمارا سورج زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل کے فاصلے پر نصب کردہ ایک عظیم پاور ہاؤس ہے۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے جسے نظامِ شمسی کہتے ہیں۔ اللہ نے نظامِ شمسی میں سورج کو صدر کی حیثیت دے رکھی ہے۔ اس کا قطر ۱۴ ملین کلومیٹر ہے جبکہ زمین کا قطر صرف ۱۲۷۴۰ کلومیٹر ہے۔ اس کا مواد زمین سے ۳۳۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ اگر سورج کو ایک خول تصور کیا جائے تو اس کے اندر ۱۴/لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔ اس کی عمر کا صحیح اندازہ تو صرف اللہ کو ہے تاہم سائنس دانوں کے تخمینے کے مطابق اس کا عرصۂ حیات ۱۰،۰۰۰ ملین سال ہے۔ اس کی موجودہ عمر ۴۶۰۰ ملین سال ہے، یعنی سورج اس وقت اپنے جوبن پر ہے۔ اس طویل المیعاد کارگزاری کے دوران نہ اس کی تمازت میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے، نہ اس کی رفتار میں اور نہ ہی یہ اپنے مدار سے ذرا بھی سرکا ہے۔ ذرا غور فرمایئے! اگر ایک ملین سال کے عرصہ میں اس کی رفتار میں ایک سیکنڈ کی کمی بیشی بھی واقع ہو جاتی تو اب تک ۴۶۰۰ سیکنڈ کا فرق واقع ہو جاتا۔ اندازہ لگایئے کہ خدائے ذوالجلال کی صناعی کس قدر کامل ہے، اس کی منصوبہ بندی کتنی بے عیب ہے، اس کا علم کتنا ہمہ گیر ولا محدود ہے اور اس کی تخلیق میں اور پیش بینی میں کس درجے کی حتمیت Precision ہے۔

اب سورۂ یاسین کی آیت نمبر ۳۸ ذہن میں لایئے جہاں ارشاد باری ہے:

﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ ﴾

"اور سورج اپنے مقرر کردہ راستے پر چل رہا ہے، یہ خدائے غالب و دانا کی منصوبہ بندی ہے۔"

اب آپ خود ہی فیصلہ کیجیے! کیا مذکورہ بالا حقائق تک رسائی ہم بغیر علم و تحقیق کے حاصل کر سکتے تھے؟ کیا خداوند قدوس کی اس عظیم صناعی کو بھانپ سکتے تھے؟

اسی لئے علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن — نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن کیا قرآن کا مقصدِ نزول، جو ہماری رہنمائی اور ہدایت کے لئے حتمی اور یقینی سرچشمہ ہے، بغیر سمجھ بوجھ کے محض اس کی تلاوت سے حاصل ہو سکتا ہے یا بغیر فہم و ادراک کے اسے رَٹ لینے سے وہ ہدایت اور رہنمائی نصیب ہو سکتی ہے؟

لیکن اتنا بڑا سورج بھی ربّ العالمین کی صناعی میں صرف ایک چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان میں اسے چراغ (سراج) ہی کا نام دیا گیا ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں دیو پیکر یعنی Giants and Super Giants بھی موجود ہیں، مثلاً کینوپس Canopus نامی ستارہ سورج سے ۲۰۰ گنا بڑا اور ۱۵۰۰ گنا زیادہ منور ہے۔ اس کا قطر ۲۷ کروڑ ۶۸ لاکھ میل ہے اور زمین سے اس کا فاصلہ ۹۳ نوری سال ہے۔ نوٹ کیجئے کہ روشنی کی رفتار ۱۸۶،۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے لہٰذا ایک سال میں روشنی ۵۸ کھرب ۶۵ ارب ۶۹ کروڑ ۶۰ لاکھ میل کا سفر طے کرتی ہے۔ اس فاصلہ کو نوری سال کہتے ہیں، جو وسعتِ کائنات کی پیمائش کے لئے اکائی ہے۔ Antares سورج سے ۴۳۰ گنا بڑا اور ۵۰۰ گنا زیادہ منور ستارہ ہے۔ اس کا قطر ۵۹ کروڑ ۵۲ لاکھ کلو میٹر ہے اور یہ ہم سے ۳۳۰ نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ Betalgeuse سورج سے ۵۰۰ گنا بڑا اور ۷۰۰۰ گنا زیادہ منور ستارہ ہے۔ اس کا قطر ۶۹ کروڑ ۲۰ لاکھ کلو میٹر ہے، یہ زمین سے ۲۷۰ نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ اسے آسمان میں نظر آنے والے ستاروں کا شہنشاہ مانا گیا ہے۔ اس کے شعلے ۵ کروڑ میل تک بلند ہوتے ہیں۔ سفائی سورج سے ایک ہزار گنا بڑا ہے اور اس کا قطر ۸۶ کروڑ ۵۰ لاکھ میل ہے۔

Aurige Constellation میں ایک ستارہ آری گائی ہے۔ یہ سورج سے ۲۰۰۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ایک ارب ۷۳ کروڑ میل ہے۔ اس سے اُٹھنے والے شعلوں کا اندازہ کرنا ممکن نہیں، کیونکہ بے انتہا دور ہونے کی وجہ سے اس کی مکمل تحقیقات اور تخمینے ابھی تک حاصل نہیں ہو سکے۔ اگر آری گائی کو سورج کے مدار میں رکھ دیا جائے تو یورینس سیارہ اس کے محیط کے اندر آجائے گا اور نظامِ شمسی کی آخری حدود تک شعلے ہی شعلے ہوں گے۔ یہ سب ستارے آگ کے کرّے ہیں۔ جن کے شعلے کروڑوں میل بلند ہوتے ہیں۔ ان کی مہیب اور ہیبت ناک شکل اللہ تعالیٰ کی قوتِ جلالی کا ادنیٰ مظاہرہ پیش کرتی ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

S.Doradus ہم سے ۱۵۰،۰۰۰ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے اور ہمارے سورج سے ۵ لاکھ گنا زیادہ روشن ہے۔ اس کی چمک کے سامنے ہمارے سورج کی چمک ایک ادنیٰ چراغ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ کچھ عرصہ قبل آسٹریلوی اور برطانوی سائنس دانوں کی ٹیم نے ایک Quasar کا انکشاف کیا ہے اور اس کا نام ۳۰۰ Minus ۸۰۰۰ Pks رکھا ہے۔ یہ زمین سے ۱۸ بلین نوری سال کے فاصلے پر ہے اور یہ بعید ترین اور منور ترین معروض ہے جو کائنات میں ایک سو ملین سورجوں کی روشنی بکھیر رہا ہے۔ ان چند مثالوں سے آپ اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی اور کبریائی پر غور کیجئے کہ کس نفاست اور کس کمالِ قدرت و حکمت سے ان کو پابندِ نظم و ضبط کر رکھا ہے کہ ان بے شمار اجرامِ فلکی میں سے نہ تو کوئی اپنے مدار سے بال برابر سرک سکتا ہے اور نہ یہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، حالانکہ حیرت انگیز رفتاروں سے رواں دواں ہیں۔ کائنات میں ہر سُو حرکت ہی حرکت ہے اور حرکت بھی بے پناہ۔ بقول علامہ اقبالؒ

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات اِک تغیر کو ہے زمانے میں

اسی طرح کائنات اکبر (Macrocosm) یعنی ارضِ و سماوات کی دنیا اِس قدر وسیع، پُر اسرار اور پیچیدہ ہے کہ نہ تو فہم انسانی اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ موجودہ آلاتِ بینائی اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ بے کراں فضائیں، جو بڑی سے بڑی دور بین کی زد سے باہر ہیں، اللہ تعالیٰ کی جبروت و خلاقی کی علامات ہیں۔ ہماری کہکشاں ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ستاروں کے علاوہ کثیر مقدار میں دُخانی مادہ بھی موجود ہے۔ اس کے اندر تقریباً ایک لاکھ ملین ستارے رواں دواں ہیں۔ اُس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ایک لاکھ نوری سال کا فاصلہ ہے۔ ایک ستارے سے دوسرے ستارے کھربوں میل کا فاصلہ ہے۔ اس عظیم کائنات میں ہماری کہکشاں جیسی کھربوں کہکشائیں گردش میں ہیں۔ ہر کہکشاں اپنا ایک الگ محور اور آزاد حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اپنے مرکز کے گرد بھی گھومتی ہیں اور ساتھ ہی اپنے مقام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دور چلی جارہی ہیں۔ ہماری کہکشاں ان تمام ستاروں کے ساتھ جو آسمان میں نظر آرہے ہیں، ۱۴لاکھ ۶۸ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے شمال کی طرف دوڑی جارہی ہے۔

اس کے علاوہ ۳ اور کہکشائیں بھی برہنہ آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک کا نام Andromeda ہے اور دوسری دو Magellanic Clouds کہلاتی ہیں۔ اینڈرو میڈا سب سے بڑی ہے جس میں ۱۰ سورجوں کے مادہ سے بھی زیادہ مادہ موجود ہے۔ اس میں سینکڑوں عظیم الشان ستارے ہیں جو ہمارے اٹارش انٹارس اور بٹل گیزا سے بھی کئی گنا بڑے اور زیادہ منور ہیں۔ یہ کہکشاں ہم سے ۲۱لاکھ ۸۰ ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ میگلانگ کلائڈز میں سے پہلی ہم سے یک لاکھ ۷۰ ہزار نوری سال اور دوسری ۲ لاکھ نوری سال دور ہے۔ ان دونوں میں مجموعی طور پر ایک کھرب سے بھی زائد ستارے ہیں جن میں عظیم تر ہیں۔ ان کہکشاؤں میں بے انتہا منور ستارے بھی پائے جاتے ہیں۔ Mount Wilson Palomar کی رصد گاہ میں نصب کردہ دو سو انچ لمبی دور بین سے تقریباً ایک ارب کہکشائیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس وسیع و عریض کائنات میں چاروں طرف کہکشائیں ہی کہکشائیں ہیں جو کھربوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ بہر حال ان کی تعداد کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ ازروے الفاظ قرآنی:

"اور اللہ کے لشکروں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔"

پیٹر مل لکھتا ہے کہ دور افتادہ کہکشاؤں Galaxies اور جمگھٹوں (Clusters) کو دیکھنا انسان کی قوت سے باہر ہے، اس لئے کہ وہ بے انتہا دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی وسعتوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ وہ بڑھتی ہی جارہی ہیں۔ کائنات کی یہ وسعتیں ہمارے لئے سوائے حیرت کے کچھ نہیں۔ ہمارے اعداد و شمار ان کے سامنے بیکار ہیں۔ یہ عجائباتِ ارض و سما لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہیں کہ وہ خالق ارض و سما اور خود اپنے خالق کی کبریائی کا اعتراف کرکے، اس کی الٰہی ہدایات کے سامنے سر تسلیم خم کیوں نہیں کر دیتے اور اللہ کی اطاعت کا دم بھر کر آخرت میں جنت کے مقام فوز کے لئے تیاری کیوں نہیں کرتے؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراسلات

مکتوبِ گرامی مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

عزیزم محترم جناب ڈاکٹر حافظ حسن مدنی صاحب زاد کم اللہ عزًّا و شرفًا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی!

'محدث' کا تازہ شمارہ ملا جس میں آپ کی اور دیگر بعض اَفرادِ خانہ کی ڈینگی بخار سے ڈنگے جانے کا پڑھ کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے آپ کو اور دیگر مریضوں کو شفا بخشی۔ والحمد للہ علیٰ ذلك !

اسی موذی بخار میں مبتلا ہو کے پہلے ہی ہمارا بڑا نقصان ہوا ہے۔ میری مراد جناب محترم ومرحوم محمد عطاء اللہ صدیقی صاحب ہیں جو 'محدث' کے دیرینہ معاون اور نامور مصنف ودانشور تھے۔ جن کا قلم ہمیشہ متجددین اور ملحدین کے لیے سیفِ بے نیام تھا۔ ان کے قلم کی کاٹ کے سبھی معترف ہیں۔ اسلام کے خلاف لکھنے والوں کا اُنہوں نے ہمیشہ تعاقب کیا۔ ملکی مسائل پر، میڈیا کی بے حیائی اور بے حجابی پر اور اُمہ کی زبوں حالی پر اُنہوں نے خوب لکھا۔ وہ ایک پختہ ذہن کے مسلمان بلکہ 'بنیاد پرست' تھے اور اُنہیں اپنی بنیاد پرستی پر فخر تھا۔ وہ اس حوالے سے اپنے اندر کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور دین کے خادموں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں بلند نصیب بنائے۔ ان کا انتقال اِدارہ 'محدث' کا نقصان نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کا نقصان ہے۔

گذشتہ شمارے میں یہ جان کر بھی سخت کوفت ہوئی کہ 'محدث' مالی بحران کا شکار ہے۔ اسی بنا پر 'محدث' کا تسلسل بھی باقی نہ رہا۔ ماہناموں میں 'محدث' کو ایک امتیاز حاصل ہے۔ یہ علمی، تحقیقی، فکری، نظری، ملکی اور ملّی مسائل پر مشتمل ایسا ماہنامہ ہے جس سے صحیح راہنمائی ملتی ہے اور بروقت ملکی معاملات پر تبصرہ اور بڑے طریقے اور سلیقے سے ان پر محاکمہ پڑھنے کو ملتا ہے۔ اسی حالیہ شمارہ میں فکر ونظر کے تحت 'ممتاز قادری اور ریمنڈ ڈیوس کیس کا دوہرا معیار' کے عنوان سے جو فکر انگیز مقالہ آپ نے رقم کیا ہے، وہ خاصے کی چیز ہے۔ اَفسوس ہے کہ ایسی فکری آبیاری کرنے والا 'محدث' بھی مالی بحران میں مبتلا ہے۔ اَصحابِ خیر سے التماس ہے کہ وہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس روشنی کو مدہم نہ ہونے دیں اور بہر نوع اس علمی جریدہ سے تعاون کریں۔
محترم مدنی صاحب سے اور دیگر مدنی اخوان سے سلام عرض کردیں۔

والسلام — دعا جو و دعا گو
ارشاد الحق اثری

(۲) گرامی قدر مدیر مسؤل ماہنامہ 'محدث' لاہور!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ پاک آپ کو آپ کے احباب ومعاونین کو صحت وتندرستی عطا فرمائے اور اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ آمین یاربّ العالمین!

محدث کا شمارہ نمبر ۳۵۱ موصول ہوا۔ جس میں یادِ رفتگان کے تحت محمد عطاء اللہ صدیقی پر جناب حافظ شفیق الرحمن حفظہ اللہ کا تعزیتی مقالہ بعنوان 'فکر اِسلامی کا بے باک ترجمان اور غیور پاسبان' نظر نواز ہوا، یہ مضمون بہت ہی عمدہ اور معیاری ہے۔ اللہ پاک محمد عطاء اللہ صدیقی کو اپنی بخشش اور رحمت سے نوازے اور ان کے اہل خانہ واحباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

اَب جو لوگ اُن کے دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے ذمہ دو کام ہیں:

① ان کے لئے نماز کے بعد دعائے اِستغفار

② ان کے کیے ہوئے کام کی اِشاعت اور ان کے اَدھورے کاموں کی تکمیل

آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ اُن کے مقالات ومضامین کو کتابی صورت میں شائع فرمائیں۔ اُس کے علاوہ آپ نے جو کافی مدت پہلے ایک کتاب 'پاکستان کا مستقبل: سیکولرزم یا اسلام؟' کا اشتہار دیا تھا، اسے بھی شائع فرمائیں۔ جزاک اللہ فی الدارین!

آپ سے اِستدعا ہے کہ مجھے حافظ شفیق الرحمن صاحب حفظہ اللہ کی اگر مطبوعات ہوں تو ان سے متعارف کروائیں جو ارسال کر دیں یا پھر میرا پتہ ان تک پہنچا دیں۔ مجھے جناب عطاء اللہ صدیقی صاحب پر آپ کے مقالہ کا انتظار رہے گا۔ ان شاء اللہ

میں اس شعر کے ساتھ اِجازت چاہوں گا کہ

جنہیں زندگی کا شعور تھا انہیں بے زری نے بجھا دیا
جو گراں تھے سینۂ خاک پر وہی بن کے بیٹھے ہیں معتبر

اللہ نگہبان — والسلام! — تنویر احمد بٹ، کراچی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُخت عبد الواسع (مرحوم کی پوتی)

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا ابو البرکات احمد مدراسی رحمۃ اللہ علیہ

میرے دادا ابا جان جن کو لوگ مولانا ابو البرکات احمد کے نام سے جانتے ہیں، ۲۹ جولائی ۱۹۹۱ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ وہ چراغ تو بجھ گیا مگر اپنے پیچھے اپنی روشن کرنیں چھوڑ گیا جس سے آج بھی لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں اور جب تک قرآن وسنت کی تعلیم جاری ہے، اس سے فائدہ مند ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

آپ مدراس کے شہر چمناڈ کے نواحی قصبہ 'کاسرگود' میں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام اپنی زبان 'مالے یالم' میں 'سی سی احمد' رکھا جس کا اُردو ترجمہ ابو البرکات احمد ہے۔ بچپن سے ہی دادا جان کو اسلامی ماحول ملا۔ آپ نے ناظرہ قرآن اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا اور چمناڈ کے ایک مقامی مدرسہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو دینی علوم کے حصول کے لیے والدین نے وقف کر دیا تھا۔ آپ کو مولانا محمد عباس کانن گاڈی کی خدمت میں بھیج دیا گیا، جہاں تقریباً دو سال صرف ونحو اور علوم عربیہ پڑھتے رہے۔ عربی سے اتنا شغف تھا کہ فارغ اوقات میں بھی عربی ہی کی کتب کا مطالعہ کیا کرتے۔ ذہانت وقابلیت اور انتہائی محنت کی وجہ سے دو سال کے اندر آپ میں اتنا اعتماد پیدا ہو گیا کہ صرف ونحو میں کوئی مزید کتاب پڑھنے کی ضرورت نہ رہی۔ عربیت میں بھی خوب مہارت حاصل ہو گئی۔ سیکڑوں عربی اشعار یاد کر لیے اور کافی حد تک قرآن حفظ کر لیا۔ کیونکہ آپ کے اُستاد مولوی محمد عباس کی عادت تھی کہ وہ نحو اور ادبِ عربی یا لغت کے بارے میں قرآنِ مجید سے استشہاد کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اُن کے اِس انداز کو دادا جان نے بہت پسند کیا جس کی وجہ سے قرآن سے محبت بڑھتی گئی اور آخر تک آپ بھی قرآن سے ہی استشہاد کرتے رہے۔

اس کے بعد آپ مولانا محمد کانن گاڈی کے مدرسہ میں چلے گئے جہاں آپ نے فقہ شافعی، تفسیر بیضاوی، تفسیر المنار، معالم التنزیل، خازن، کشاف، فتح البیان، ابن کثیر، فتوحاتِ الٰہیہ، الفیہ اور اس کی چاروں بڑی شرحیں اور حواشی، اُصول الحدیث پڑھیں، پھر وہیں آپ نے مولانا ابو بکر سے فقہ شافعی اور صحیح مسلم کا درس بھی لیا۔ اس کے بعد آپ علامہ جادی ایری کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمت میں پہنچے۔ یہ ایسے فاضل اُستاد تھے کہ طلبہ سامنے کتابیں رکھ کر بیٹھ جاتے اور وہ چہل قدمی کرتے کرتے اس طرح پڑھاتے جس طرح حافظ و قراے کرام بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھاتے ہیں۔ دادا جان نے ان سے فتح المعین، شرح المحلی، تخریجی مسائل اور فروعی مباحث، کتاب ہدایہ، جامع الجوامع کے علاوہ منطق اور فلسفہ بھی خوب پڑھا۔

یہاں سے تحصیل علم کرتے کرتے آپ مدراس کے ایک بڑے کالج مدرسۃ العالیہ عربیک کالج میں داخل ہوئے اور یہاں آپ نے مزید علم حاصل کیا۔ کالج کے سربراہ علامہ محمد ابو الصلاح جو 'خلاصۃ التفسیر' کے نام سے لیکچر دیتے تھے، ان سے خوب استفادہ کیا۔ کالج سے آپ نے انگلش، اردو اور عربی زبانیں بھی سیکھیں۔ کالج سے تکمیل تعلیم کے بعد آپ کو وہیں استاد مقرر کر دیا گیا اور آپ نے اپنی تعلیم سے فراغت کے اگلے سال الفیہ ابن مالک، شرح لتہذیب، مختصر المعانی، شرح نخبہ، فتح المعین اور شرح المنہاج، المحلی وغیرہ پڑھانا شروع کر دیں۔ آپ کے ذوق اور مہارت علم کا اندازہ اسی سے ہو جاتا ہے کہ آپ کے اساتذہ نے اسی کالج میں اگلے ہی سال آپ کو بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے لیے منتخب کر لیا۔

اس کے بعد دادا جان مزید پڑھنا چاہتے تھے اور مصر کی یونیورسٹی، جامعہ ازہر میں جانے کا ارادہ کیا مگر ویزا نہ ملنے کی وجہ سے نہ جا سکے۔ آپ کو اس بات کا بہت دکھ تھا، پھر آپ ہندوستان کے مطالعاتی دورہ میں نکلے۔ آپ حیدر آباد دکن، متحدہ بنگال، یوپی اور بہار وغیرہ صوبوں کا سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچ گئے اور وہاں غرباے اہل حدیث کے جامعہ ستاریہ میں تعلیم کی دہرائی کرتے ہوئے دوبارہ صحیح بخاری کا درس لیا اور جامعہ ازہر قاہرہ کے لیے ویزہ ملنے کا انتظار کر رہے تھے کہ پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

اب مدراس کی طرف واپس جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لیے آپ ایک قافلہ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد آپ نے پھر کوشش کی کہ دوبارہ والدین کے سایۂ عاطفت میں چلا جاؤں۔ اس سلسلہ میں چمناڈ کے ایک ایم این اے کی وساطت سے آپ کے والدین نے حکومت کو درخواست دی کہ ہمارا بیٹا پاکستان میں پھنس گیا ہے، اسے انڈیا آنے کی اجازت دی جائے۔ بھارتی حکومت نے اس خیال سے کہ یہ مسلمانوں کا کوئی سیاسی لیڈر ہو گا، یہ درخواست مسترد کر دی۔

جب مدراس واپس جانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو دادا جان کی نظر مدرسہ اوڈانوالہ کی طرف گئی اور آپ نے وہاں کا رختِ سفر باندھا۔ وہاں جا کر خود نمائی نہیں کی بلکہ امیر المجاہدین صوفی محمد عبد اللہ کی زیر نگرانی اور مولانا محمد یعقوب صاحب سے صحیح بخاری سہ بارہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھی۔ اسی دوران ایک اہل حدیث عالم دین نے ایک حنفی عالم کو سوالنامہ بھیجا جس کا جواب حنفی عالم نے چیلنج کی شکل میں عربی زبان میں لکھا۔ جامعہ کے اساتذہ نے وقت کی قلت کا عذر کر دیا، چنانچہ یہ طے ہوا کہ محدث محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا جائے اور جواب حاصل کیا جائے۔ دادا جان نے عرض کیا کہ یہ مجھے عنایت کیا جائے، میں اس کا جواب لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ نے بیس صفحات پر مشتمل عربی زبان میں جواب لکھا اور حنفی عالم کی عربی زبان کی بہت ساری غلطیوں کی نشاندہی بھی کی۔ حنفی عالم یہ کہہ کر جواب دینے سے انکاری ہو گیا کہ یہ تو پوری کتاب ہے، اس کا جواب کون لکھے؟ اس کارنامہ کی وجہ سے مولانا صوفی محمد عبداللہ نے آپ کو خاص شفقت سے نوازا اور بیٹوں کی طرح رکھا۔

اوڈانوالہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے سنا کہ گوجرانوالہ میں حضرت الحافظ محدث محمد گوندلوی کی شکل میں علم و عمل کا سرچشمہ تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہا ہے۔ آپ صوفی محمد عبداللہ سے اجازت لے کر گوجرانوالہ، ٹاہلی والی مسجد میں حافظ محدث محمد گوندلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحیح بخاری کا سماع کیا۔ صحیح بخاری مکمل ہونے پر دلی آرزو تھی کہ تدریس کا موقع دیا جائے مگر زبان سے مسندِ تدریس نہیں مانگی جبکہ محدث گوندلوی چاہتے تھے کہ مولانا ابوالبرکات ان سے مسندِ تدریس کے خود طلب گار ہوں۔ دادا ابو نے دوبارہ اگلے سال بخاری شریف کا سماع کیا۔

اگلے سال بھی تدریس کا موقع نہ ملا تو غریب الدیاری میں دادا جان نے لاہور انارکلی میں جا کر ٹوپیوں کی تجارت شروع کر دی۔ اور اپنے اُستاد صوفی محمد عبداللہ کو خط لکھ کر سارے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ کے حالات جان کر صوفی محمد عبداللہ صاحب سخت ناراض ہوئے اور علم کے ضائع ہونے پر تنبیہ کی اور فوراً اپنے پاس آنے کا کہا۔ دادا جان کے دل میں خیال آیا کہ میں جاتے ہوئے اپنے استاد محدث زماں حافظ محمد گوندلوی سے مل لوں۔ ان سے ملنے گئے اور بتایا کہ مجھے صوفی صاحب نے تدریس کے لیے بلایا ہے۔ محدث گوندلوی نے فرمایا: صوفی صاحب سے میں خود بات کر لوں گا۔ آپ یہیں پڑھائیں، وہاں نہ جائیں۔ چنانچہ آپ ۱۹۵۰ میں جامعہ اسلامیہ، گوجرانوالہ کی مسندِ تدریس پر فائز ہوئے اور تن من سے اسی کی آبیاری کے لیے وقف ہو گئے۔ ان دنوں نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ پر ایک انتہائی صالح بزرگ نوردین تھے۔ یہ گھر گھر جا کر خواتین کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتے اور کھانے کے وقت کسی کے گھر سے کھانا نہ کھاتے۔ جیب سے روٹی اور اچار نکال کر کھا لیتے اور شام کو محلے کے لڑکوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو تعلیم دیتے اور صابن بنا کر اپنا روز گار چلاتے۔ یہ بزرگ دادا جان کو داماد بنانے پر آمادہ ہو گئے اور نوشہرہ روڈ پر واقع ملک لال خاں والی مسجد میں آپ کا نکاح مولانا محمد علی لاہوری نے پڑھایا اور اس طرح آپ کا گوجرانوالہ کی سرزمین سے ایک مضبوط تعلق قائم ہو گیا اور اپنا گھر مل گیا۔

محدث حافظ محمد گوندلوی کے جامعہ محمدیہ دال بازار تشریف لے جانے پر جامعہ اسلامیہ کا کلی انتظام، انتظامیہ نے آپ کے سپرد کر دیا۔ ۱۹۵۶ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد معرضِ وجود میں آیا۔ ۲ سال بعد دادا جان کو جامعہ سلفیہ میں تدریس کی دعوت دی گئی کہ آپ کو وہاں جامعہ اسلامیہ سے دوگنا زیادہ وظیفہ دیں گے۔ آپ کو پیسوں سے دلچسپی نہ تھی بلکہ خدمت دین کا شوق تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے دیگر مدارس سے بھی تدریس کی پیش کش ہوئی حتیٰ کہ مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ سے بھی آفر آئی۔ آپ نے یہ کہہ کر کہ اگر مقصد علوم دینیہ کی تدریس ہے تو میں الحمدللہ یہاں کر رہا ہوں اور اس کی یہاں دیگر علاقوں سے زیادہ ضرورت ہے۔ کوئی آفر قبول نہ کی اور تادم حیات جامعہ اسلامیہ، گوجرانوالہ ہی میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنی زندگی کا آخری سبق بھی اسی مدرسہ میں پڑھایا۔

دادا جان کو دل کی تکلیف اور شوگر تھی جس کی وجہ سے آپ کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ جب آپ کی صحت زیادہ خراب ہوتی اور دوسرے اُستاد آپ کے اسباق پڑھاتے تو آپ اُن کو بلا کر اپنا اعزازیہ ان کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے کہ آپ نے میری غیر موجودگی میں میرے اسباق پڑھائے ہیں، اس لیے اس تنخواہ پر آپ کا حق ہے مگر اساتذہ احترام وسعادت کی بنا پر بے حد اصرار کر کے آپ سے تنخواہ نہ لیتے۔

دادا جان اپنے استادِ محترم کا بے حد احترام کرتے۔ آپ کے استادِ محترم محدث زماں حافظ محمد گوندلوی نے اپنی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے فتویٰ لکھنے کا منصب اپنی زندگی میں ہی دادا جان کو دے دیا تو دادا جان نے اس بات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کہ اُستاذِ محترم کے دل پر غم کا کوئی شائبہ نہ آئے، آپ ہر سائل فتویٰ کو اس بات کا پابند کر دیتے کہ میرے فتویٰ کو محدث گوندلوی سے تصدیق کروا کر لے جاؤ۔ کوئی فتویٰ حافظ محدث محمد گوندلوی کی تصدیق کے بغیر نہ جانے دیتے۔

آپ کے تلامذہ

آپ کے شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ آپ کے بہت سارے تلامذہ آپ کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی میں ہی مختلف مدارس میں بحیثیت مفتی اور شیخ الحدیث اپنے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ آپ کے چند نمایاں اور معروف و مشہور تلامذہ درج ذیل ہیں:

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز سیالکوٹ، شیخ الحدیث حافظ ارشاد الحق اثری فیصل آباد، شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم گوجرانوالہ، شیخ الحدیث ابو تقی حفیظ الرحمٰن لکھوی لاہور، شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ زاہدی صادق آباد، شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد الیاس اثری گوجرانوالہ، شیخ الحدیث مولانا محمد امین محمدی گوجرانوالہ، شیخ الحدیث مولانا حافظ سید محمد اکرم گیلانی گوجرانوالہ، شیخ الحدیث مولانا فاروق احمد راشدی گوجرانوالہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام کوٹ بھوانی داس، حکیم مولانا ادریس فاروقی سوہدروی، فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر فضل الٰہی، علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید، مولانا میاں محمد جمیل لاہور، مولانا حافظ عباس انجم گوندلوی گوجرانوالہ، مولانا حافظ احمد شاکر لاہور، مولانا عبدالستار حامد وزیر آباد، مولانا محمود احمد میر پوری، مولانا قاضی عبدالرشید جہلم، مولانا محمد یحییٰ گوندلوی، مولانا محمد مدنی جہلم، مولانا محمد ذوالفقار ذکی، مناظر اہل حدیث مولانا شمشاد احمد سلفی نارنگ منڈی، مولانا عبدالرحمن عتیق وزیر آباد، مولانا احسان الحق شہباز قلعہ دیدار سنگھ وغیرہ

ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جو اندرون و بیرونِ ملک دین کا کام کر رہے ہیں۔ کئی تلامذہ دادا ابا جان کے بعد وفات پا چکے ہیں۔ دادا جان شاگردوں سے اپنی اولاد کی طرح محبت و شفقت کرتے تھے اور ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔

بہت افسوس اور حسرت ہوتی ہے اور دادا جان کی بہت ہی کمی محسوس ہوتی ہے۔ جب آپ کے حالاتِ زندگی پڑھتے ہیں، آپ کی باتیں والدین کریمین سے سنتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی جلد دادا جان کو ہم سے دور لے گیا، مگر فطرۃ اللہ سے فرار ممکن نہیں۔ دنیا میں کسی شخصیت کو ہمیشہ رہنا ہوتا تو حضرت فاطمہؓ کی کتبِ احادیث میں گونجتی 'یا ابتاہ ﷺ' کی صدا ہمیں سنائی نہ دیتی۔ اللہ تعالیٰ دادا جان کی بشری لغزشوں سے صرفِ نظر فرماتے ہوئے ان کی بخشش فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہمیں (اُن کے بیٹے بیٹیوں اور پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں) اور ان کے تلامذہ کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا عبدالجبار سلفی

حضرت مولانا معین الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ

اکل حلال، صدقِ مقال، زہد و ورع، علم و عمل، عبادت و ریاضت، رُشد و ہدایت، ظاہری اور باطنی اعتبار سے حسین و جمیل اور خوبصورت و خوب سیرت 'گلستانِ لکھویہ' کا تعارف تحصیل حاصل ہے جن کا سلسلۂ نسب محمد بن حنفیہ کے توسط سے سیدنا علی سے جاملتا ہے۔ اس خاندان کے برصغیر میں اوّلین بزرگ حافظ محمد امین تھے جو بابا ڈھنگ شاہ کے عرف سے مشہور و معروف بزرگ تھے۔ مغل اعظم جہانگیر بادشاہ غازی اُن کی خدمت میں بغرضِ رُشد و ہدایت حاضر ہوئے تھے اور غالباً ہزار بیگہ اراضی ہدیۃً پیش کر گئے تھے۔

جب اُن کی باری ختم ہوئی اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے تو ان کی جگہ اُن کے لائق فرزندانِ گرامی قدر حافظ احمد اور اُن کے بھائی نے لے لی اور وہ بھی اپنے صالح باپ کی طرح لوگوں کو توحید و سنّت، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت اور توکل و انابت الی اللہ کی تبلیغ کرنے لگے اور اپنے خاندان میں اس روحانی گلستان کی آبیاری کرنے کے لئے اپنی اولاد کی دینی بنیادوں پر تربیت کرنے لگے۔ جب اُن کی باری ختم ہوئی تو ان کی جگہ حافظ بارک اللہ لکھوی نے لے لی اور وہ اپنے دور کے بہت بڑے عالم با عمل اور فقیہ و زاہد ثابت ہوئے۔ جب وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے تو ان کی جگہ ان کے لائق فرزند حافظ محمد لکھوی نے لے لی اور اُنہوں نے عربی اور فارسی نظم و نثر میں یکساں قدرت رکھنے کے باوجود پنجابی شاعری میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی اور 'تفسیر محمدی'، 'احوالِ آخرت' اور 'محامدِ اسلام' اور 'زینت الاسلام' جیسی گراں قدر کتب لکھ کر پنجاب کے گھر گھر کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا، حالانکہ اس سے قبل آپ سنن ابوداؤد اور مشکوٰۃ شریف کے عربی حواشی لکھ چکے تھے۔

جب وہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تو اُن کی جگہ اُن کے مایہ ناز سپوت مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی نے لے لی جو روحانیت میں اپنے اَسلاف سے بھی آگے نکل گئے اور سرزمین حجاز میں دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے مدینہ منورہ کے بقیع غرقد میں مدفون ہو گئے۔ اُن کے بعد ان کے خاندان کی قیادت ان کے لائق فرزند مولانا محمد علی لکھوی کے ہاتھ میں آئی تو اُنہوں نے اپنے بزرگوں کے مشن کو جاری رکھا اور مدرسہ محمدیہ کو مرکز الاسلام کا نام دے کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اسی دوران اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں سے مسجدِ نبویؐ کی زیارت کرنے اور ہادیٔ اُمم حضرت رسول مقبول ﷺ پر سلام پڑھنے کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض سے مدینہ منورہ گئے تو وہاں کے عرب شیخ کی صاحب زادی سے اُن کا نکاح ہو گیا اور آپ وہاں مسجدِ نبویؐ میں ہی درسِ حدیث دینے لگے اور ساتھ ہی ساتھ صحیح مسلم شریف کی کتابت کرنے لگے۔ تقریباً ایک صدی تک محیط صحیح مسلم شریف کا وہ نسخہ جو نور محمد کتب خانہ کراچی سے طبع ہوتا رہا ہے، یہ انہی کی سعیٔ مشکورہ ہے۔ رحمہم اللہ اجمعین

اسی دوران ہندوستان تقسیم ہو گیا تو ان کی جگہ ان کے لائق فرزندانِ گرامی قدر حضرت مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہم نے لے لی اور اُن کی خدمات نے دعوتِ دین کے سلسلے کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ بڑے برادرِ گرامی قدر نے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کو شعار بنا لیا اور دنیاوی جاہ و حشمت اور طمطراق کو ٹھوکر مار کر پنجاب کے قریہ قریہ اور کُو بکو، گوشہ گوشہ میں دعوتِ دین کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور چھوٹے برادر نے درس و تدریس کی سرپرستی کے ساتھ 'سیاست برائے دین' میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا اور اس میدان میں محض اپنی شرافت و صداقت، امانت و دیانت کی بدولت بڑے بڑے سیاست دانوں کو میدانِ سیاست میں چاروں شانے چت کر دیا اور دنیا کو درس دے دیا کہ سیاست محض کذب و دروغ اور دھوکہ فریب سے ہی نہیں بلکہ امانت اور صداقت و شرافت سے بھی ہو سکتی ہے لیکن علم و عمل اور ایمان و حکمت کا سورج (یعنی مولانا محی الدین لکھوی) تو ۱۹۹۸ء میں غروب ہو گیا اور فہم و فراست، ذہانت و فطانت، علم و عمل اور حکمت و دانش کا چاند (مولانا معین الدین لکھوی) ۹/دسمبر ۲۰۱۱ء کو زیرِ زمین چھپ گیا:

شنیدم کہ در روزگارِ کہن	شدہ عنصری شاہ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تہی	بفردوسی آمد کلاہی
چو فردوسی از دورِ فانی گذشت	نظامی بملک سخن شاہ گشت
نظامی چو جامِ اجل در کشید	بسر چترِ اشعار سعدی رسید
چو اورنگ سعدی فرو شد ز کار	سخن بر فرق خسرو نثار
وزاں پس چو نوبت بجامی رسید	جہاں سخن را تمامی رسید

مولانا معین الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علما کی مثال اس دنیا میں اُن ستاروں کی سی تھی جن کے ذریعے ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ سے نکلنے کے لئے راستے نظر آتے ہیں اور اس طرح کے ستارے نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو نجات کے راستوں کا ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ»[1]

1 سنن ابن ماجہ: ۲۱۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"عالم باعمل کی فضیلت عابد کے مقابلے میں ایسی ہے جیسی بدرِ تمام کو سارے ستاروں پر ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

«لَئِنْ تَمُوْتُ قَبِيْلَةٌ بِأَسْرِهَا أَيْسَرُ عَلَى اللهِ مِنْ مَوْتِ عَالِمٍ»[1]

"اگر کوئی قبیلہ اپنے تمام افراد سمیت مر جائے تو اللہ کے ہاں اس کا مر جانا ایک عالم کے مر جانے سے زیادہ آسان ہے۔"

کیونکہ ایک عالم ربانی کے دنیا سے اُٹھ جانے سے علم و حکمت، دانش و فرزانگی، حق گوئی و بے باکی اور ہم دردی و غم گساری کے پہاڑ زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ ایک عربی شاعر نے مذکورہ بالا حقائق کو درج ذیل اشعار میں بیان کیا ہے:

لَعَمْرُكَ مَا الرَّزِيَّةُ فَقْدُ مَالٍ وَلَا شَاةٌ تَمُوْتُ وَلَا بَعِيْرُ
وَلٰكِنِ الرَّزِيَّةُ فَقْدُ حِبْرٍ يَمُوْتُ بِمَوْتِهِ خَلْقٌ كَثِيْرٌ

"تیری عمر کی قسم مال و زر کا ہاتھ سے جاتے رہنا قابل افسوس مصیبت نہیں ہے اور نہ ہی کسی بکری یا اونٹ کا مر جانا مصیبت سمجھا جاتا ہے۔ اصلی اور حقیقی مصیبت تو کسی عالم کا ہاتھ سے جاتے رہنا ہے کیونکہ اس کی موت سے بہت سی مخلوق مر جاتی ہے۔"

اس بات میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں کہ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم اور مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کے بعد دیگر جماعتوں کو بالعموم... اور جماعت اہل حدیث کو بالخصوص مولانا سید داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کے بعد مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ جیسا دانش مند اور معاملہ فہم اور دور اندیش قائد اور سیاست دان میسر نہیں آیا۔

حضرت مولانا عبد القادر حصاروی ایسے علما و فضلا کی وفات پر کہا کرتے تھے:

گُل گئے گُلاب گئے باقی خالی دھتورے رہ گئے
عقلاں والے چلے گئے باقی بے شعورے رہ گئے

حضرت مولانا معین الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ، سید نذیر حسین دہلوی شیخ الکل فی الکل کے مشہود لہ بالخیر گھرانے کے فردِ فرید ہونے کے باوجود جب مولانا احمد علی لاہوری کے ہاں دورۂ تفسیر قرآن کے لئے گئے تو اُنہوں نے اُن سے پوچھا: بیٹا پہلے بھی کہیں دورہ تفسیر کیا ہے تو آپ نے حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا نام لیا کہ میں اُن سے بھی اس سلسلے میں فیض یاب ہو چکا ہوں تو حضرت لاہوری نے فرمایا:

بیٹا! ان جیسے متبحر عالم کے بعد مجھ جیسے گنہگار کے پاس پڑھنے کی آپ کو کیا ضرورت تھی؟ خیر جب وہاں دورۂ تفسیر مکمل ہوا اور امتحان میں دو طلبا برابر برابر نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب ان

[1] مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۱/ ۲۰۱، ۲۰۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں میں سے اوّل کا انتخاب کرنے کے لئے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کو منصف مقرر کیا گیا تو آپ نے پیپر دیکھ حضرت مولانا معین الدین لکھوی کو اوّل قرار دیا۔ بعد ازاں جب امام انقلاب کا اُن سے تعارف کروایا گیا تو اُنہوں نے فرمایا: اس بچے کو اوّل نمبر پر آنا ہی چاہئے تھا کیونکہ میں خود اس کے خاندان کا ممنون ہوں اور اس کے پردادا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی کی کتاب پڑھ کر ہی میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی تھی اور میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

حضرت مولانا معین الدین لکھوی پیدائشی طور پر ہی شاہانہ مزاج رکھتے تھے۔ صاف ستھرا رہنا، پاکیزہ اور صاف ستھرا کھانا، عمدہ لباس پہننا اور باوقار چلنا، باوقار انداز سے بولنا اور دھیمی آواز سے گفتگو کرنا ان کا شعار تھا۔ قرآنِ حکیم کی تفسیر پر عبور حاصل تھا۔ جب وہ درسِ قرآن دیتے تو علم و حکمت کے دریا بہا دیتے اور اس کے بعد وہ درسِ قرآن میں شریک طلبہ جامعہ محمدیہ سے صرفی اور نحوی سوالات کرتے اور اُن کا حل بتاتے۔

راقم الحروف کو ان سے باقاعدہ استفادہ کرنے کا موقعہ ۱۹۷۶ء میں میسّر ہوا، جب ہمارے اُستاذ مولانا محمد یوسف آف راجووال نے مجھے اپنے بیٹے سمیت وہاں داخل کروایا۔ حضرت مولانا بالخصوص فجر کی نماز خود پڑھایا کرتے تھے اور عموماً سورہ 'قٓ' تلاوت کرتے تھے۔ مجھے ان کا اندازِ تلاوت اس قدر پسند آیا کہ میں نے بھی اسی دور میں اُن کی آواز اور ان کے لہجے میں سورہ قٓ زبانی یاد کر لی۔

حضرت مولانا لکھوی رحمہ اللہ کا معمول یہ تھا کہ آپ روزانہ درسِ قرآن دیتے اور پھر سیر کو نکل جاتے اور چار پانچ میل پیدل سیر کے بعد نہا دھو کر اور ناشتہ کر کے دفتر میں تشریف لاتے اور حاضرین اور ملاقاتیوں کی درخواستیں پڑھ سن کر مناسب ہدایات دیتے اور حکام بالا کو فون کرتے اور فونوں کا بل اپنی جیب سے ادا کرتے۔ اتوار کا دن عموماً دم درود اور تعویذات والوں کے لئے مختص ہوتا تھا۔ اس روز کبھی کبھی نماز باجماعت میں تساہل ہو جاتا اور جب آپ اُن سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے۔ آپ ہر طرح کی جلد بازیوں کو بالائے طاق بلکہ بھلا کر اپنے بزرگوں کی نماز کا نقشہ پیش کر دیتے۔ آپ کا ظہر کی نماز باجماعت میں تساہل ۱۹۸۶ء تک رہا لیکن اس سال ان کی اہلیہ محترمہ کے انتقال کے بعد وہ تساہل ختم ہو گیا اور آپ اذان سنتے ہی ہر طرح کی مجلسوں اور میٹنگوں سے اُٹھ کر وضو کر کے پہلی صف میں کھڑے ہو جاتے اور نماز کے بعد بڑی دیر تک ذکر اذکار اور طویل دعا کے بعد سنن رواتب ادا کر کے دفتر تشریف لاتے اور اپنے سیاسی اور مذہبی معاملات پر مشاورت کرتے۔

اللہ نے ان کا مذہبی اور سیاسی قد کاٹھ اتنا شاندار بنایا کہ عموماً افسرانِ بالا اُن کی سفارش رد نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے کسی سائل کو کسی پوسٹ پر ملازمت کے لئے سفارشی خط دیا۔ اتفاقاً اسی پوسٹ کے لئے دیگر اُمیدواران بھی مختلف ایم پی اے اور ایم این اے حضرات کے لیٹر لیکر آئے ہوئے تھے لیکن اس محکمے کے افسر اعلیٰ نے تمام ممبرانِ اسمبلی کی سفارشوں کو بالائے طاق رکھ کر حضرت مولانا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سفارش لے کر آنے والے کو مشتہر کردہ پوسٹ پر تعینات کر دیا اور کہا کہ حضرت مولانا جیسے لوگ ہمیشہ کے لئے قابل عزت ہیں، خواہ وہ الیکشن میں جیت جائیں یا ہار جائیں۔ ان کو اللہ کے دین کی وجہ سے جو عزت حاصل ہے وہ جیتنے یا ہارنے سے بڑھتی اور گھٹتی نہیں ہے۔ دوسروں کا کیا ہے آج جیتے تو ہیرو، اگلے الیکشن میں ہارے تو زیرو!!

سیاست کے ایوانوں میں

حضرت مولانا معین الدین لکھوی، نواب زادہ نصر اللہ خاں اور حافظ عبد القادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہم کی طرح اپنی ذات میں ایک فرد نہیں بلکہ انجمن اور جماعت تھے۔ ان کی پہچان جماعتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی وجہ سے جماعتوں کی پہچان تھی۔ ایک صاحب نے مینار پاکستان پر ایک ملک گیر اہل حدیث کانفرنس کا ڈرامہ رچا کر میاں نواز شریف کے سامنے مطالبہ رکھ دیا کہ اس دفعہ حلقہ چونیاں ضلع قصور کی نشست کا ٹکٹ مولانا معین الدین لکھوی کی بجائے ہمارے اُمیدوار کو دیا جائے تو میاں نواز شریف نے اُس کے مطالبے کو ٹھکرا کر جواب دیا کہ تم اُس شخصیت کے مقابلے میں ٹکٹ کا مطالبہ کر رہے ہو جس نے اپنے ماتحت پینل کا انتخاب بھی میری بجائے خود ہی کرنا ہے اور وہ ہماری سیاسی پیدائش سے پہلے سے سیاست کر رہے ہیں اور وہ اپنے علاقے کے بڑے بزرگ سیاست دان اور عالم دین ہیں اور اپنی دانش وشرافت کی وجہ سے کئی مرتبہ وہاں سے جیت چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوں ناگوں خوبیوں سے متصف کر رکھا تھا۔ ایک تو آپ نہایت وجیہ اور حسین و شکیل اور خوش خوراک وخوش پوشاک تھے اور دوسری طرف حد درجہ غم گسار اور ہمدرد اور عبادت گزار تھے اور شاید آپ کی عبادت گزاری ہی آپ کی وجاہت اور دلیری اور حق گوئی کا باعث ہو۔ آپ حق بات کو بلا خوف لومۃ لائم کہہ دیتے تھے اور اس بات کی ذرہ برابر پروانہ کرتے کہ میرے سامنے حاکم وقت کھڑا ہے یا اس کا کوئی فوجی جرنیل!

سانحۂ کارگل کی سنگینی کے پیش نظر میاں نواز شریف سابق وزیر اعظم پاکستان نے اراکین قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا اور انہیں اس کے خطرات سے آگاہ کیا تو بڑے بڑے جاگیر دار اور صنعت کار اراکین گھبرا اُٹھے اور اس جنگ کو ختم کرانے کے مشورے دینے لگے تو حضرت مولانا لکھویؒ کھڑے ہوئے اور قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ ﴾ (الانفال:۱۶)

"اے ایمان والو! جب تم کافروں سے برسر پیکار ہو جاؤ تو پیٹھیں نہ پھیرو اور جو کوئی اس دن پیٹھ پھیرے سوائے اس نیت کے کہ وہ لڑائی کے لئے کوئی چال اختیار کرنے والا ہو یا لڑنے کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے مسلمانوں کی دوسری جماعت سے ملنے والا ہو تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔"

یہ ترجمہ بیان کر کے آپ نے فرمایا: پرائم منسٹر صاحب! یا تو یہ جنگ چھیڑنی ہی نہ تھی، اب گر چھیڑ ہی بیٹھے ہو تو اللہ پر توکل کرو، میدان جنگ میں لڑ کر اتنے سپاہی شہید نہیں ہوتے جتنے پسپا ہو کے دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں۔ لیکن میاں نواز شریف اور دیگر صنعت کاروں اور جاگیر دار وزیروں و مشیروں کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں، لہٰذا انہوں نے اللہ کا حکم سن کر ان سنا کر دیا۔ اور پاکستانی فوج کے اتنے سپاہی مروائے کہ اتنے جنگ میں بھی نہیں مرنے تھے۔

اسی طرح ایک موقع پر سابق وزیر اعظم موصوف تقریباً بارہ اراکین اسمبلی میں بیٹھے ۲۰۱۰ء تک حکومت کرنے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف تجاویز پر غور کر رہے تھے تو آپ نے ان کے سامنے ہی یہ بات کہہ دی کہ پرائم منسٹر صاحب آپ ۲۰۱۰ء تک حکومت کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی حکومت کے وزیر ۲۰۰۰ء سے قبل ہی آپ کی حکومت کی کشتی ڈبو دیں گے۔ وہ کہنے لگے: یہ کیسے؟

آپ نے فرمایا: آپ کی حکومت کے ایک وزیر نے ہمارے ایک عزیز کو ناحق کسی قتل کے مقدمے میں پھنسا کر ۷۰ ہزار روپے وصول کئے ہیں اور یوں سمجھیں کہ وہ ۷۰ ہزار روپے اُس نے میرے ہاتھ سے لئے ہیں اور میں نے اس بے گناہ محبوس کو آزاد کرانے کے لئے دیئے ہیں۔ سابق وزیر اعظم گویا ہوئے کہ آپ اس کا نام بتا سکتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: ابھی اور اسی وقت بتاتا ہوں بشرطیکہ آپ ان بارہ اراکین اسمبلی کے سامنے وعدہ کریں کہ آپ اس کا ایکشن لیں گے؟ بس آپ کا اتنا کہنا تھا کہ صدر فاروق لغاری، اور آرمی چیف جہانگیر کرامت اور چیف جسٹس سپریم کورٹ سجاد علی شاہ کے سامنے نہ جھکنے والے وزیر اعظم کے سر گھڑوں پانی پڑ گیا اور وہ بول ہی نہ سکے۔ ایسا کیوں ہوا! اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ وزیر صاحب سید کہلاتے تھے اور اب بھی کہلاتے ہیں اور میاں صاحب اور ان کے برادرِ اصغر کے متعلق ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ وہ ان جیسے لوگوں کے آباؤ اجداد کے مزاروں پر چادریں چڑھانے والے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا کی پیش گوئی کے مطابق میاں صاحب کے ایسے ہی وزیروں نے ان کی حکومت کی لٹیا ڈبو دی لیکن میاں صاحب اپنے اس وزیر کے خلاف ایکشن نہ لے سکے۔ اور وہ وزیر صاحب فوراً ہی ظالم ڈکٹیٹر پرویز مشرف کی کشتی میں سوار ہو کر پھر حکومت کے مزے لینے لگے اور اب پھر وہ سابق وزیر اعظم موصوف کی پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔ شاید سابق وزیر اعظم کو ان کی یہی حق گوئی پسند نہیں آئی اس لئے وہ نہ تو ان کی عیادت کے لئے آئے، نہ ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور نہ ہی ان کے برادرِ اصغر وزیر اعلیٰ پنجاب نے رسمِ تعزیت کی ضرورت محسوس کی۔

سابق جرنیل صدر پرویز مشرف کے دور میں حضرت مولانا کو حکومت میں شامل ہونے کی پیش کش

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی لیکن آپ نے بڑی بے باکی سے ٹھکرا دی۔ اس طرح کہ سابق صدر پرویز مشرف نے اپنی ایجنسیوں کو حضرت مولانا کے پیچھے لگا دیا کہ یہ تین دفعہ رکن قومی اسمبلی اور ایک دفعہ مجلس شوریٰ کے رکن رہے ہیں اور لازمی بات یہ ہے کہ اُنہوں نے بھی مولوی ڈیزل جیسے مولویوں کی طرح کرپشن کی ہو گی۔ لہٰذا ان کے ریکارڈ کی چھان بین کی جائے اور انکے گھپلے پکڑے جائیں۔ جب تمام ایجنسیوں نے چھان بین کی تو انہوں نے صدر پرویز مشرف کو مطلع کیا کہ اس شخص نے ایک دھیلے کا بھی گھپلا نہیں کیا تو وہ غصے میں آگیا اور اس نے ایجنسیوں کے انچارج صاحبان کو سخت سُست کہہ کر چوتھی ایجنسی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ ان کو دیئے گئے فنڈز کی چھان بین کرے، لازماً کچھ نہ کچھ اس کے ذمہ نکلے گا کیونکہ یہ کوئی فرشتہ تو نہیں ہے لیکن چار ماہ بعد اُس نے بھی یہ رپورٹ دی کہ ہمارے سامنے ان کا کوئی غبن یا گھپلا نہیں آیا۔

جب مشرف نے علماء و مشائخ کانفرنس بلائی اور حضرت لکھویؒ کو بھی خصوصی دعوت نامہ بھجوا دیا جب آپ ایوانِ صدر میں تشریف لے گئے تو اُس نے بھری کانفرنس میں اپنی کرسی سے اُٹھ کر آپ کو سلیوٹ کیا اور کہا: حضرت مولانا! میں آپ کی عظمت اور دیانت داری کو سلیوٹ کرتا ہوں، میری درخواست یہ ہے کہ آپ حکومت میں شامل ہو کر ہماری معاونت کریں، ہمیں آپ جیسے لوگوں کی شدید ضرورت ہے۔ آپؒ نے بھری کانفرنس میں جواب دیا: جناب صدر آپ پاکستان میں اسلام دشمن قوتوں کے ایجنٹ ہیں، اس لئے ہم آپ کے ساتھ نہیں چل سکتے اور یہ کہہ کر باہر تشریف لے آئے اور صدرِ پاکستان اپنا سامنہ لیکر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور دیگر مشائخ سے اپنے حق میں قصیدے اور نعرے سننے لگے۔

جنرل مشرف نے دوسری مرتبہ صدارت پر براجمان ہونے کے بعد ضلع اوکاڑا کے سیاست دانوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے چوہدری شجاعت حسین کے ساتھ ایک بر گیڈیئر غالباً سعید مہدی کو ساتھ بھیج دیا۔ اُنہوں نے ضلع بھر کے سیاست دانوں کو اکٹھا کر کے مولانا سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں تا کہ ہم مل کر قوم و ملت کی خدمت کریں۔

آپ نے اُن کی یہ بات سن کر فرمایا: اچھا آپ نے ہمیں اس لئے بلایا ہے کہ ہم ان لوگوں کی طرح تمہاری جماعت میں شامل ہو کر کرپشن کی غلاظت سے آلودہ ہو جائیں۔ یہ صاحب جو اس وقت آپ کے سامنے موجود ہیں، یہ ہمارے علاقے کے بدنام قسم کے زانی اور شرابی پیر ہیں۔ اور یہ صاحب ہمارے اس ضلع کے بڑے رشہ گیر اور سفاک ایم این اے ہیں اور یہ صاحب پرلے درجہ کے کرپٹ انسان ہیں۔ آپ نے ہمیں ان کے ساتھ شامل ہونے کے لئے بلایا ہے۔ ہمارا صاف جواب ہے ہم آپ کے ساتھ شامل ہونے کی بجائے اکیلے ہی بھلے۔ یہ سن کر بر گیڈیئر مہدی صاحب گویا ہوئے کہ بڑے میاں! آپ بڑے ہیں، اس لئے آپ کہہ سکتے ہیں کیونکہ آپ بڑے ہیں۔ ٹھیک ہے آپ ہم میں شامل نہیں ہونا چاہتے تو ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے۔ جب آپ بر گیڈیئر صاحب کے سامنے یہ باتیں کہہ رہے تھے تو ساتھ ہی ساتھ ان سیاست دانوں کی طرف اپنی لاٹھی سے اشارہ بھی کرتے جا رہے تھے۔ اللہ اللہ! ایسا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رعب اور ایسا جلال کہ کوئی بھی آپ کے سامنے دم نہ مار سکا۔

ذاتی اوصاف اور دینی خدمات

جس دور میں ہم جامعہ محمدیہ میں زیر تعلیم تھے تو ہمارے ایک ساتھی حضرت مولانا زید احمد، فاضل مدینہ یونیورسٹی نے ہمیں آپ کی نرم خوئی کا ایک ہڈ بیتا واقعہ سنایا کہ جب میں جامعہ محمدیہ اوکاڑا میں نیا نیا داخل ہوا تو میں نے مولانا محی الدین لکھویؒ کے پر شفقت مصافحے اور معانقے کا تصور ذہن میں بٹھا کر حضرت مولانا معین الدین لکھوی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں دو انگلیاں ملا دیں جس کا مجھے بڑا صدمہ ہوا اور ایک دن اپنی ناراضی اور حضرت مولانا کی سرد مہری پر غصہ کی بھڑاس نکالنے کے لئے دفتر کے سامنے ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنے ایک ساتھی سے حضرت مولانا محی الدین لکھوی کے پرتپاکی سے ملنے کی تعریف اور حضرت مولانا معین الدین لکھوی کے سرد مہری سے مصافحہ کرنے کا برے الفاظ میں تذکرہ کرنے لگا اور دس پندرہ منٹ تک برے الفاظ سے تذکرہ کرتا ہی چلا گیا اور مجھے کیا معلوم تھا کہ ناظم صاحب ستون کی دوسری طرف کھڑے اپنے کانوں سے اپنے حق میں نازیبا کلمات سن رہے ہیں۔ اس دور میں طلباے جامعہ آپ کو ناظم صاحب کے نام سے بولا کرتے تھے کہ اچانک مولانا آگے بڑھے اور مجھے دیکھا اور پھر واپس اپنے کمرے میں چلے گئے اور جب میں نے اپنی اس حرکت پر غور کیا تو پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ میں لرزتا کانپتا اوپر والی منزل میں اپنے بستر پر لیٹ گیا اور ڈرنے لگا کہ اب پتہ نہیں کیا بنے گا۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک طالبِ علم مجھے بلانے آگیا کہ آپ کو ناظم صاحب دفتر میں بلا رہے ہیں۔ جب میں نے یہ الفاظ سنے تو میرا خون خشک اور رنگ فق ہو گیا۔ میں ڈرتا، لرزتا، کانپتا ہوا اُن کے دفتر میں پہنچا تو انہوں نے مجھے پانی والا گلاس دیا اور کہا: اس میں باہر سے پانی لے آؤ۔ میں گیا اور شیشے کا گلاس پانی سے بھر لایا۔ آپ نے پوچھا: اسے آٹے سے مانجھ کر پھر پانی سے دھو کر، اس میں پانی لے لاؤ۔ میں گیا اور باورچی سے آٹا لیکر اس گلاس کو چمکا کر پانی سے بھر لایا جو آدھا آپ نے پیا اور آدھا مجھے پلا کر واپس جانے کی اجازت دے دی تو میری جان میں جان آگئی۔

آپ کے عمدہ اوصاف میں سے ایک عمدہ وصف یہ بھی تھا کہ آپ نے اپنے برا کہنے والوں کو کبھی برا نہیں کہا۔ ایک صاحب زندگی بھر جامعہ کے باہر دکان میں چوبیس گھنٹوں میں اوسط پانچ چھ گھنٹے اپنے ملاقاتیوں کے سامنے آپ کی نیکیاں بڑھاتے رہتے لیکن آپ نے زندگی بھر اس کا نوٹس نہیں لیا اور نہ ہی اپنی زبان پر حرفِ شکایت لائے۔ ایک مرتبہ آپ کے درسِ قرآن کے اختتام پر ایک صاحب آپ سے کہنے لگے کہ ایک عالم لالہ زار کالونی کی مسجدِ مبارک میں تقریر کے دوران کہہ رہے تھے کہ جو کوئی مولانا محی الدین لکھوی کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: کیا اس عالم کی اس بات کو لوگوں نے اچھا سمجھا ہے؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ اس بات کو نہایت برا سمجھا ہے تو آپ نے فرمایا تو بھائی عبد الغنی!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو جب لوگوں نے ہی اسے اچھا نہیں سمجھا تو ہمیں اس کا برا منانے کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ خود مولانا محی الدین لکھوی سے بھی کسی نے کہہ دیا کہ فلاں عالم آپ کو کافر کہتا ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! میرے بھائی میں تو انہیں مسلمان ہی سمجھتا ہوں اور اسے مسلمان ہی کہتا رہوں گا۔ سعدی مرحوم نے ایسے ہی بزرگوں کے متعلق فرمایا ہے:

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا — دل دشمناں نہ ہم کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستاں خلاف است جنگ

ایک مرحوم شہید رحمہ اللہ اپنے جلسوں میں آپ کے قد کو گھٹانے اور اپنا قد بڑھانے کے لئے آپ کے خلاف بڑے گھٹیا قسم کے نعرے لگواتے اور انہیں سن کر محظوظ ہوتے۔ بالآخر جب انہوں نے محسوس کیا کہ اس طرح تو ان کا کچھ نہ بگڑا تو صلح کے لئے ایک آدمی بھیج کر اپنے کئے کی معافی مانگی تو آپ نے یک لخت اسے معاف کر دیا اور صلح کے لئے آمادہ بھی ہو گئے۔

آپ کے عمدہ اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی تھا کہ آپ نے اپنے دین کے بارے میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا اور آپ اپنی الیکشن مہم کے لئے جہاں کہیں جاتے وہاں اپنی مسجد ہوتی یا مخالف مسلک کی مسجد، وہاں علی الاعیان رفع الیدین کرتے اور جہاں کہیں خطبہ دیتے، اہل حدیث کی طرز پر خطبہ دیتے اور اس کے باوجود بھی جیت جاتے۔ آپ نے کبھی کسی سیاسی لیڈر کی طرح جھوٹ بولا اور نہ جھوٹا وعدہ کیا، نہ کرپشن کی نہ کسی کو کرپشن کرنے دی۔ ورنہ ہم نے بڑے بڑے ڈرامے باز مولوی اور لیڈرز دیکھے ہیں جو جیسا دیس ویسا بھیس بنا لیتے ہیں۔ خصوصاً عربوں اور عجمیوں کو بے وقوف بنا کر ان سے دولت ہتھیانے کے لئے مسلک تو کیا دین و ایمان بیچ کھاتے ہیں۔

آپ کے عمدہ اوصاف میں ایک وصف یہ تھا کہ آپ نے اپنے اسلاف کی طرح اپنی جوانی اور بڑھاپے کو بے داغ رکھا بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ لکھوی بزرگوں کی طرح دیگر مسالک کے لوگ روحانیات کے دعوے دار ہیں لیکن ان کے گدی نشینوں کے ہمسایوں سے پوچھ کر دیکھ لیں۔ وہ گواہی دیں گے کہ وہ بہتہ خور، شراب نوش اور لوگوں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنے والے اور عیاش ہیں جب کہ لکھوی بزرگ اور ان کی اولادیں آج بھی مجسمہ شرم و حیا خاندانی شرافت اور وجاہت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ یقین حاصل کرنے کے لئے مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین لکھوی بلکہ مولانا شفیق الرحمٰن اور مولانا عزیز الرحمٰن کی اولادوں کو دیکھ لیں ان میں شرافت، نجابت، عبادت، ریاضت ہمدردی و غمگساری نظر آئے گی۔ خصوصی طور پر وفیسر ڈاکٹر حماد اور پروفیسر ڈاکٹر حمود، ڈاکٹر عابد، ڈاکٹر زاہد، مولانا بارک اللہ، مولانا حفظ الرحمٰن، ذکی الرحمٰن، رفیق الرحمٰن، مولانا محمد حمید اور مولانا محمد زید، محمد احمد لکھوی برادران یہ سب کے سب اعلیٰ درجہ وجیہ اور شریف اور مدبر و مفکر ہیں۔ فضائل سے آراستہ اور رزائل سے کوسوں دور ہیں۔ ان کو دیکھ کر ان کے اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ البتہ اِنہیں مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین کا مقام حاصل کرنے کے لئے انہی کی طرح صبر واستقامت اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرنا ہو گا کیونکہ ان دونوں برادران مرحومین کا مقام و مرتبہ ہر کسی کو ہر دور میں نصیب نہیں ہوتا بلکہ اچھے مقدر والوں کو عرصہ بعد نصیب ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از میش — زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہ ہا باید کہ تا یک دانہ ز آب و گل — شاہدے را حلّہ گردد یا شہیدے را کفن
ماہ ہا باید کہ تا یک قطرہ از پشت و رحم — صفدرے خیزد بمیدان یا عروس انجمن
سالہا باید کہ تا یک سنگ قابل ز آفتاب — لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
قرنہا باید کہ تا یک کودک از فیض طبع — عالم دانا شود یا شاعر شیریں سخن
عمرہا باید کہ تا گردوں گردان یک شبے — عاشقی را وصل بخشد یا غریبے را وطن
دورہا باید کہ یک مرد صاحبدل شود — بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

لہٰذا اب جماعت اہل حدیث کو خصوصاً اور دیگر مسالک کو عموماً مدتِ دراز تک مولانا ثناء اللہ امرتسری جیسا مناظر، حافظ عبد اللہ روپڑی جیسا مجتہد، اور مولانا سید داؤد غزنوی جیسا بارعب و شب بیدار اور علامہ احسان الٰہی ظہیر جیسا خطیب اور مولانا اسماعیل سلفی جیسا ادیب اور مولانا محی الدین لکھوی جیسا اویس دوراں اور مولانا معین الدین لکھوی جیسا دانشمند پیدا ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔

راقم الحروف کو جب کبھی اوکاڑا شہر میں جانا پڑتا تو اُن سے دفتر یا گھر میں ملاقات کر کے آتا اور آپ کبھی کبھار دیر سے ملاقات کرنے سے سرنش بھی کرتے۔ ایک دفعہ راقم ان کے دفتر میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا، تو آپ قرآن کریم کی تلاوت کر کے میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے:

"عبد الجبار! میں یہ بات سوچ کر لرز جاتا ہوں کہ اللہ نے میرے اوپر احسانات بہت کئے ہیں اور میں ان میں سے کسی ایک کا شکر بھی ادا نہیں کر سکا۔ دیکھیں والد صاحب مرحوم مدینہ منورہ چلے گئے اور جامعہ محمدیہ کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر آن پڑا۔ اس بوجھ نے میری کمر بوجھل کی ہوئی ہے۔ اب اللہ نے اس کو خود کفیل کر دیا ہے۔ سیاست میں قدم رکھا تو اللہ نے چار مرتبہ اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔ بیس سال تک میں جماعت اہل حدیث کا امیر رہ چکا ہوں۔ اللہ نے دین اور دنیا کی ہر خوبی عطا فرمائی ہے۔ اب اس کا تقاضا ہے کہ میں شکر گزاری میں مصروف رہوں لیکن لوگوں کے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے یہ قصور مجھ سے دور نہیں ہو رہا۔"

جب آپ اپنی عمر کی اٹھاسی بہاریں گزار چکے تو آپ پر ضعفِ جسمانی غالب آگیا اور آپ اپنے ملاقاتیوں کے سامنے یہ بات یاد کر کے رونے لگتے کہ پتہ نہیں میرا ربّ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ ملاقاتی عرض کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کرنا ہے، وہ پہلے ہی بتا دیا ہے ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴾ لہٰذا آپ اپنے ربّ سے ایک جنت نہیں بلکہ دو جنتوں کی اُمید رکھیں۔ جامعہ محمدیہ اور جامعہ سلفیہ اسلام آباد آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔ ہزاروں علما و طلبا آپ کے روحانی فرزند ہیں اور وہ آپ کی مغفرت کے طلب گار رہتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ تادم آخریں اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہے اور ہر جمعہ جامعہ محمدیہ میں ادا کرتے اور ضعف و کمزوری کی وجہ سے تسبیحاتِ رکوع و سجود اور ادعیہ تشہد بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیتے اور رو رو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور خطاؤں سے درگزر کا سوال کرتے اور پھر خادمین کے ہمراہ گھر چلے جاتے اور وہاں فرض نماز ادا کرتے وقت کسی کو اپنے پاس بلا لیتے، جو رکعات شمار کر کے بتلا دیتا کہ اب نماز پوری ہو گئی ہے۔ ان ایام میں آپ کے پوتے عزیزم حافظ محمد داؤد نے آپ کی بہت خدمت کی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

سَلَامُ اللهِ عَلٰى قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ وَرَحْمَتُهٗ مَا شَاءَ أَنْ يَتَرَحَّمَا
مَا كَانَ هَلَكَ قيس هلك وَاحِدٌ ولكن بنيان القوم تَهَدَّمَا

مذکورہ بالا مضمون مرحوم کے سوانح اور کارہائے نمایاں سے زیادہ اُن کی وفات حسرت آیات پر مضمون نگار کے تاثرات و جذبات کا بے ساختہ اظہار ہے۔ مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ کے سوانح حیات کے لئے 'بزم ارجمنداں' از مولانا اسحٰق بھٹی اور مولانا محی الدین لکھوی رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی کے لئے مولانا بھٹی حفظہ اللہ کی ہی کتاب 'قافلہ حدیث' کا مطالعہ کریں، ان کتب میں دونوں مرحوم بھائیوں پر تفصیلی مضامین موجود ہیں۔ مُدیر

رئیس الجامعہ کا سعودی عالمی کانفرنس میں سلفیت کے موضوع پر مؤثر خطاب

'محدث' کے مدیر اعلیٰ اور جامعہ لاہور اسلامیہ کے رئیس مولانا حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ گذشتہ ماہ سعودی عرب میں ہونے والی عالمی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے تشریف لے گئے۔ عالم اسلام کی عظیم ترین جامعہ، امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کے زیر اہتمام، سعودی ولی عہد شہزادہ نائف بن عبد العزیز کی زیر سرپرستی ۲۷، ۲۸ دسمبر ۲۰۱۱ء کو الریاض میں السلفية: منهج شرعي و مطلب وطني کے عنوان سے ہونے والی عظیم الشان انٹرنیشنل کانفرنس میں جناب مدیر اعلیٰ نے عربی زبان میں تفصیلی خطاب کیا جسے خصوصی پذیرائی ملی اور بعد میں سعودی عرب کے قومی میڈیا نے آپ سے متعدد انٹرویوز میں آپ کے خیالات و نظریات کو بڑے پیمانے پر شائع کیا۔ مولانا مدنی کے خطاب کا اُردو ترجمہ اور آپ کے سعودی انٹرویوز کو 'محدث' کے آئندہ شمارے میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ ادارہ محدث

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موضوعاتی اِشاریہ

محمد شفیق کوکب

جنوری تا دسمبر ۲۰۱۱ء... جلد ۴۳ / عدد ۳۴۳ تا ۳۵۳... ۱۱ شمارے

ماہنامہ 'محدث' کا ایک سالہ اِشاریہ

ایمان وعقائد

محمد زبیر، ڈاکٹر حافظ	کیا صفاتِ الٰہیہ میں ائمہ اربعہ 'مفوضہ' ہیں؟	مارچ	۱۱_۳۸
محمد اسحق طاہر، حافظ	صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ	اپریل	۱۰_۲۵
محمد زبیر، ڈاکٹر حافظ	برصغیر کے عام حنفی علما کا عقیدہ قرآن	اپریل	۲۶_۳۶
ابو عبداللہ طارق	ملتِ اسلامیہ میں شرکِ اکبر کا وجود	جون	۱۳_۲۸
صالح فوزان، شیخ	دوستی، دشمنی اسلام کی روشنی میں [مترجم: عبداللہ ناصر رحمانی]	نومبر	۴۰_۶۴
ابو عبداللہ طارق	اہل السنۃ اور مرجئہ؛ ائمۂ سلف کے اقوال کی روشنی میں	دسمبر	۲۰_۳۳

حدیث وسنت

محمد فاروق رفیع	کتبِ حدیث کے عظیم و وسیع مجموعوں کا جائزہ	اپریل	۳۷_۶۱
ظل ہما، پروفیسر	علم مختلف الحدیث: ایک تحقیقی مطالعہ	مئی	۱۰_۲۲
عبدالمالک، مولانا	جنگی اخلاقیات؛ احادیثِ نبویہ کے آئینے میں	جون	۵۱_۶۳
عبداللہ غفیلی، ڈاکٹر	قیامت کی نشانیاں اور احادیثِ نبویہ [مترجم: عبدالحنان کیلانی]	نومبر	۹_۳۹

فقہ واجتہاد

کامران طاہر	اوقاتِ نماز مع مکروہ اوقاتِ نماز	جنوری	۴۹_۵۶
زبیر علی زئی، حافظ	امام شافعیؒ اور تدلیس کا حکم	جنوری	۹۴_۱۲۲
عذرا شفیع، پروفیسر	خواتین کا معاشرتی کردار	مئی	۴۳_۶۲
کامران طاہر	نمازوں میں فرض و نفل رکعات کی تعداد	جون	۲۹_۳۹
ہانی بن عبداللہ محمد جبیر	مجبور شخص کی طلاق کا حکم [مترجم: عمران اسلم]	جون	۴۰_۵۰
ہانی بن عبداللہ محمد جبیر	غصہ کی حالت میں طلاق کا حکم [مترجم: عمران اسلم]	جولائی	۲۹_۳۶
فاروق رفیع	نیند کے مستحب، مکروہ اور ممنوع اوقات	جولائی	۱۰_۲۸
فاروق رفیع	عشرہ ذوالحجہ کے احکام ومسائل	اکتوبر	۲۰_۴۴
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	پاکستان میں تکفیر وخروج کا منظر نامہ	دسمبر	۲_۱۸
زاہد صدیق مغل	دورِ حاضر میں خروج کا مسئلہ اور جائزہ شبہات	دسمبر	۶۲_۸۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانون وقضا

حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	حقوقِ نسواں بل ۲۰۰۶ء: شرعی عدالت کا فیصلہ	جون	۲_۱۲

ناموسِ رسالت

حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	قانون توہین رسالت: منظوری اور ترامیم	جنوری	۲_۲۰
مسعود عالم، مولانا حافظ	مسلم اور غیر مسلم شاتم رسول کی سزا	جنوری	۲۱_۲۹
ابتسام الٰہی ظہیر، حافظ	توہین رسالت کی سزا پر وارد اعتراضات	جنوری	۳۰_۳۶
خالد حسین گورایہ	مسئلہ توہین رسالت پر علماے اہل حدیث کا فتویٰ	جنوری	۱۳۱_۱۳۴
امین اللہ پشاوری، مولانا	حقوق النبیؐ اور شاتم رسول کی توبہ کا حکم	جنوری	۳۷_۴۸
محمد عطاء اللہ صدیقی	قانون توہین رسالت اور عاصمہ جہانگیر کا کردار	جنوری	۵۷_۷۵
حامد میر	آسیہ مسیح اور قانونِ توہین رسالت	جنوری	۷۶_۸۵
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	سلمان تاثیر کے قتل سے پیدا ہونے والے سوالات	فروری	۲_۱۵
مبشر احمد ربانی	توہین رسالت کی سزا: قرآن وحدیث کی نظر میں	فروری	۱۶_۴۵
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	توہین رسالت کی سزا: بعض اہم سوالات	فروری	۴۶_۶۹
تصدق حسین، مولانا	گستاخ رسول کی سزا اور فقہاے احناف	فرروی	۷۰_۷۴
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	قانونِ امتناعِ توہین رسالت میں ترمیم کا مطالبہ!	اگست	۲_۲۲
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	حنفیت کے نام پر غامدیت کی ترجمانی!	اگست	۲۳_۷۱
خلیل الرحمٰن قادری	گستاخِ رسول کی سزا اور احناف کا موقف	اگست	۷۳_۹۶
ادارہ محدث	محدث کی تاخیر اور مسئلہ توہین رسالت	اگست	۷۲
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	مسئلہ توہین رسالت اور قانون کو ہاتھ میں لینا	اکتوبر	۲_۱۹
عبدالقیوم حقانی، مولانا	مسئلہ توہین رسالت پر ماہنامہ 'محدث' کا کردار	اکتوبر	۷۶
عبدالواحد، مفتی ڈاکٹر	توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خان ناصر	اکتوبر	۴۵_۷۵

تذکیر وموعظت

اوریا مقبول جان	شاتمہ آسیہ مسیح اور گورنر، اللہ کے ہاں مقدمہ لکھا جاچکا ہے!	فروری	۸۱_۸۳
محمد نوید شاہین	گورنر کا جنازہ: عبرت آموز حقائق	فروری	۸۴_۹۴
محمد زبیر، ڈاکٹر حافظ	تکبر: ایک تجزیاتی مطالعہ	مئی	۳۳_۴۲

تحقیق وتنقید

ثناء اللہ امرتسری، مولانا	خلافتِ راشدہ اور وراثتِ انبیاء	جنوری	۸۶_۸۸
عطیہ انعام الٰہی	۱۲ ربیع الاول: غور وفکر کے چند پہلو	فروری	۷۵_۸۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عطیہ انعام الٰہی	محرم الحرام کی اہمیت اور واقعۂ کربلا	جنوری	۸۹_۹۳
فاروق رفیع	کیا نبی اکرم ﷺ کی نمازِ جنازہ ہوئی تھی؟	مارچ	۳۹_۵۱
عبید اللہ عفیف، مفتی	نبی کریم کے ترکہ کی وراثت کا مسئلہ؟	دسمبر	۳۴_۵۳
حافظ عمران الٰہی	صفر المظفر اور مسئلہ نحوست؟	دسمبر	۵۴_۶۱

تعلیم و تعلم

عبدالولی خان، مفتی	اُستاد شاگرد کے باہمی حقوق	مئی	۲۳_۳۲

اسلام اور سائنس

نعمان ندوی، ڈاکٹر	عہدِ رسالت اور سائنس و ٹیکنالوجی	مارچ	۵۲_۷۴
محمد اقبال کیلانی، مولانا	زوالِ امت کا سبب: ٹیکنالوجی یا ایمان	مئی	۶۳_۶۹
خالد جامعی، سید	اسلام اور سائنس کے مزاج و مناہج کا اختلاف	نومبر	۶۵_۸۰
ابو فہیم، شبیر احمد	انفس و آفاق میں آیاتِ الٰہیہ	دسمبر	۸۳_۹۲

تصویرِ وطن

ہارون الرشید	امریکی نمک خوار: حقائق اور بھید	مارچ	۲_۱۰
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	ریمنڈ کی رہائی: قومی غیرت پر تازیانہ	اپریل	۲_۹
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	پاکستانی میڈیا: بعض قابل توجہ پہلو	جولائی	۲_۹
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	ممتاز قادری کیس اور ریمنڈ کیس: ایک تقابل	نومبر	۲_۸

عالم اسلام اور مغرب

صلاح الدین، حافظ	اُمتِ مسلمہ کے خزانے اور عیاش حکمران	اپریل	۶۲_۷۵
محمد عطاء اللہ صدیقیؒ	مسلم عرب: شورشوں اور یورشوں کی زد میں	مئی	۲_۹
مقتدیٰ منصور	لیبیا میں نیٹو حملہ کے مقاصد معاشی ہیں!	مئی	۷۰_۷۳
ثروت جمال اصمعی	دورِ جدید کے چنگیز و ہلاکو	مئی	۷۴_۷۶
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	ملتِ اسلامیہ: امریکی استعمار کے نرغے میں	جون	۶۴_۸۰
محمد اقبال کیلانی	ارضِ توحید: مملکتِ سعودی عرب	جولائی	۳۷_۴۶
محمد عطاء اللہ صدیقی	مسلم مشرق پر مغربی مظالم اور ردِّ امریکہ	جولائی	۴۷_۶۷

یادِ رفتگان

صہیب حسن، ڈاکٹر	امام قرافیؒ اور 'الفروق' کا تعارف	جنوری	۱۲۳_۱۳۰
محمد یوسف انور، مولانا	مولانا عبدالقادر ندویؒ اور مولانا اعظمؒ	اپریل	۷۶_۸۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زاہد الراشدی، ابو عمار	مولانا اعظم کی وفات پر تعزیت	اپریل	۸۰
عبد المجید فردوسی	مولانا خلیل الرحمن؛ حالات وخدمات	مئی	۷۷۔۸۰
محمد یوسف انور، مولانا	مولانا حافظ اسماعیلؒ روپڑی	جولائی	۶۸۔۷۷
عمران وحید، ڈاکٹر	اک محافظِ ملت محمد عطاء اللہ صدیقی کی یاد میں	اکتوبر	۷۷۔۸۲
شفیق الرحمن، حافظ	فکرِ اسلامی کا بے باک ترجمان اور غیور پاسبان	اکتوبر	۸۳۔۸۸
روبینہ شاہین	اک چراغ اور بجھا ـــ! (عطاء اللہ صدیقی)	اکتوبر	۸۹۔۹۱
مزمل احسن شیخ، ڈاکٹر	حافظ نذر احمد؛ اک ان تھک خادم قرآن	اکتوبر	۹۲۔۹۶
اُخت عبد الواسع	مولانا ابو البرکات احمد مدراسی	دسمبر	۹۳۔۹۷

مکاتیب [اہل علم کی تنقیدات اور تبصرے]

محمد اقبال کیلانی، مولانا	شرک اور حج وعمرہ کے حوالہ سے	جنوری	۱۳۵۔۱۳۶
محمد اقبال	توہین رسالت ایکٹ اور دیگر تبصرے	جنوری	۱۳۶۔۱۳۸
ابو رجال	فتنہ انکار حدیث اور خرافات کے متعلق	جنوری	۱۳۸۔۱۳۹
اُمّ عبد منیب	'محدث' کی تعریف میں خط	فروری	۹۵
ابو رجال	عطاء اللہ صدیقی کے مضمون توہین رسالت پر تبصرہ	فروری	۹۵۔۹۶
سلیم منصور خالد	ایمان افروز اداریہ لکھنے پر مبارک	مارچ	۷۵
رفیع الدین ہاشمی	'قانون توہین رسالت اور عاصمہ جہانگیر کا کردار' پر تبصرہ	مارچ	۷۵
محمد منشا تابش قصوری	فروری کے مضامین پر تبصرہ	مارچ	۷۵۔۷۶
عبد المالک مجاہد، مولانا	فروری کے مضامین پر مبارک باد	مارچ	۷۶
خلیل الرحمٰن قادری	ایمان افروز اداریہ لکھنے پر مبارک باد	مارچ	۷۶
محمد اکرم راٹھور	توہین رسالت کے ایکٹ کے متعلق	مارچ	۷۶۔۷۸
ارشاد الحق اثری، مولانا	محمد عطاء اللہ صدیقی کا سانحۂ ارتحال	دسمبر	۹۱

تبصرہ کتب

طاہر اسلام عسکری	برصغیر کا اسلامی ادب اور نامور شخصیات از ڈاکٹر مجیب الرحمٰن	مارچ	۷۹۔۸۰
عبد الاعلیٰ، حافظ	مولانا عبد الغفار حسن؛ حیات وخدمات از ڈاکٹر صہیب حسن	جولائی	۷۸۔۷۹
محمد یونس جنجوعہ	چہرے کا پردہ؛ واجب یا بدعت؟ از حافظ محمد زبیر	جولائی	۸۰
محمد شفیق کوکب	ماہنامہ محدث؛ یک سالہ اشاریہ ۲۰۱۰ء	جنوری	۱۴۰۔۱۴۴
محمد شفیق کوکب	ماہنامہ محدث؛ یک سالہ اشاریہ ۲۰۱۱ء	دسمبر	۱۰۹۔۱۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.kitabosunnat.com

CPL No. 49
Vol. 44 No. 1
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا
اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا
فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر
دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700